مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

VOL.No.7	ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۲ء (Sept,October 2012) شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ	Issue.No.7,8

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبد القیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی
ولیٔ کامل حضرت مولانا عبد الرحیم متالا

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت — مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا یحییٰ بام
مولانا محمد اختر قاسمی — مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی
مدیر انتظامی: حافظ عبد الستار عزیزی
مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ”نقوش اسلام“ مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ .... ۱۵؍روپے
سالانہ .... ۱۲۰؍روپے
خصوصی .... ۳۰۰۰؍روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

منیجر توسیع واشاعت : قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR. PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

Files\A017.TIF not found. Files\A025.TIF not found. Files\A017.TIF not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		
میری ماں نہ رہی	محمد مسعود عزیزی ندوی	۳
گوشۂ ماں		
رفیقۂ حیات کی جدائی	حافظ عبدالستار عزیزی	۱۴
دو بڑی بیٹیوں کا......احساس غم	مفیدہ خاتون ومحسنہ خاتون سلمہما	۱۵
ماں تو ماں ہوتی ہے	انیسہ خاتون جمال پور، سہارنپور	۱۶
ساس کا فراق غم	صائمہ عزیزی اہلیہ مرغوب عالم عزیزی	۱۸
میری ساس جوار رحمت	سارہ عزیزی اہلیہ محمد مسعود عزیزی	۱۹
دادی اماں کی جدائی	نظمہ حیات عزیزی بنت مرغوب عالم	۲۰
دادی اماں کے متعلق کچھ باتیں	دانش عزیزی بنت مرغوب عالم	۲۱
نانی کے متعلق چند باتیں	محمد اکرم جماپوری، جلال آباد، بجنور	۲۲
نظر تو آئی تھی ہلکی کرن تبسم کی	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	۲۳
وہ جس کے قدموں تلے جنت ہے	مولانا سید محمد ریاض ندوی، لکھنؤ	۲۵
غور وفکر		
بچوں کے مفت......کرنے کا حق	مولانا محمد ولی رحمانی، مونگیر، بہار	۲۷
کارنامے		
مسلمانوں کی تاریخ نگاری	مولانا قدیر اختر ندوی، پاکستان	۲۹
جائزہ		
علامہ سید سلیمان ندوی......مختصر جائزہ	مولانا محمد خالد ضیاء ندوی، گجرات	۳۳
سیرت عثمان		
دو عدد کی جلوہ گری	مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی، لکھنؤ	۳۸
تجزیہ		
مسدس حالی، فکر وفن کے آئینے میں	مولانا محمد ذاکر ندوی بارہ بنکوی، لکھنؤ	۴۰
ہوشیار!		
سور کی چربی سے تیار تیل میں بنے آلو چپس......	(ادارہ)	۴۲
اقوال زریں		
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ نصیحتیں	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	۴۴
حالات حاضرہ		
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	۴۸

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون مبلغ ۱۲۰/روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰...........
״ ״ اول اندرونی	״ ״	۲۵۰۰...........
״ ״ آخر اندرونی	״ ״	۲۰۰۰...........
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰...........
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰...........
۱/۴ صفحہ ״		۴۰۰...........

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسیٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الہند)

اداریہ

میری ماں نہ رہی

محمد مسعود عزیزی ندوی

ماں اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، جس کا بدل دنیا میں نہیں، شوہر کو بیوی مل سکتی ہے، بیوی کو شوہر مل سکتا ہے، ماں کو بچے مل سکتے ہیں، مگر بچوں کو ماں نہیں مل سکتی، راقم سطور کی والدہ محترمہ زیتون نظامی ۲۷؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰؍فروری ۲۰۱۲ء پیر کے روز مغرب کے بعد ۷؍بجے کے قریب اپنے مالک حقیقی کے دربار میں حاضر ہوگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ ایک عرصے سے بیمار تھیں، سر اور پیٹ کے درد میں اکثر مبتلا رہتی تھیں، مگر ادھر کچھ دنوں سے وہ پیٹ کے درد میں زیادہ مبتلا تھیں، مستقل دوائی استعمال کرتی تھیں، شاید ہی کوئی دن ایسا جاتا ہو جس میں وہ دوا نہ لیتی ہوں، اور شدید تکلیف میں ان کو انجکشن دینا پڑتا تھا، ابھی تقریباً ایک ماہ سے روزانہ انجکشن کی ضرورت پڑتی تھی، جس سے تھوڑی دیر کے لیے کچھ سکون ملتا تھا، مگر ۲۶؍ربیع الاول اتوار کے روز سے ان کو اس قدر شدید درد ہورہا تھا کہ انجکشن سے بھی آرام نہیں مل رہا تھا، رات بھر تکلیف میں رہی، اور پیر کی صبح سے ناقابل برداشت درد تھا، جس کی وجہ سے ان کو جولی گرانٹ (دہرہ دون) ہاسپٹل میں ایمرجنسی میں داخل کیا گیا، چیکپ کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی آنت پھٹ گئی، داکٹروں نے مشورہ دیا کہ ان کا آپریشن ہوسکتا ہے، اس لئے آپریشن کی کارروائی شروع کردی گئی، مگر اس کے عمل سے پہلے ہی وہ اپنے رب کے پاس چلی گئیں، ان کے ساتھ راقم کے بڑے بھائی ڈاکٹر مرغوب عالم اور ہمشیرہ انیسہ خاتون تھیں، رات کو دس بجے ان کو لے کر گھر آئے، بزرگان دین، اہل تعلق اور رشتہ داروں کو اطلاع کردی گئی اور صبح گیارہ بجے نماز کا وقت متعین کیا، چنانچہ غسل وکفن سے فراغت کے بعد بہت سے علماء، اہل تعلق، رشتہ داروں اور گاؤں والوں کی موجودگی میں ۲۸؍ربیع الاول منگل کو ۱۱؍بجے حضرت مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مجاہد پوری نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور تدفین عمل میں آئی۔

ماؤں کی محبت سے سب واقف ہیں، مگر راقم کی ماں کو مجھ سے محبت کچھ زیادہ ہی تھی، راقم سے بڑی تین بہنیں اور ایک بھائی ہیں، اور میں چونکہ سب سے چھوٹا تھا، اس لیے راقم پر ماں کی شفقتیں، عنایتیں اور محبتیں کچھ زیادہ تھیں، اگرچہ والدہ کچھ زیادہ پڑھی لکھی نہ تھی، ان کو قرآن کریم کا عم پارہ اور کچھ منتخب سورتیں ہی یاد تھیں، مگر وہ کڑھی ہوئی تھیں، ان کی تمام اولاد پڑھی لکھی ہے، سب سے بڑی بہن مفیدہ خاتون اور محسنہ خاتون ناظرہ قرآن شریف اور دینی کتب پڑھی ہوئی ہیں، ان دونوں کے بعد بڑے بھائی مرغوب عالم ڈاکٹر ہیں، ان کے بعد انیسہ خاتون حافظ قرآن اور بہترین قاریہ ہیں، پھر پانچویں نمبر پر راقم سطور ہے، والدہ

نے خاص طور سے راقم کی تربیت کچھ اس انداز سے کی کہ بعض چیزیں ایسی ذہن میں بیٹھ گئیں جیسے پتھر پر لکیر، مثلاً ایک مرتبہ بچپن میں راقم نے مسجد سے ماچس اٹھائی اور گھر لے کر آیا، والدہ نے نصیحت کی کہ بیٹا مسجد کی چیز نہیں لیا کرتے، وہ مسجد میں واپس کرادی، اس کے بعد پھر کبھی بھی مسجد کی چیز کو اپنے لئے جائز نہیں سمجھا، ایک مرتبہ ایک جگہ راستہ میں دس یا بیس پیسے مل گئے، میں نے اٹھالئے اور گھر لایا، والدہ نے بتلایا کہ بیٹا راستہ میں کسی کی کوئی چیز پڑی ہو، اس کو نہیں اٹھایا کرتے اور وہ پیسے واپس کرائے، اس کے بعد سے آج تک قیمتی سے قیمتی چیز بھی راستہ میں پڑی نظر آئی، مگر نہیں اٹھائی، ایک مرتبہ اپنی ہوشیاری سے ایک بچے سے ۵۰؍ پیسے لایا اور اس ہوشیاری کا والدہ سے تذکرہ کیا، تو انہوں نے فرمایا بیٹا کسی کا مال ناحق نہیں لیا کرتے، اور وہ ۵۰؍ پیسے واپس کرائے، چنانچہ اس کے بعد سے کسی کے سامان، روپئے پیسے کی طرف التفات نہیں کیا، وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں، اس کے باوجود مجھے ۹؍ سال کی عمر میں ہریانہ کے ایک مدرسے میں بھیج دیا، اور خود صبر سے کام لیا، اور راقم ۹؍ سال کی عمر سے مستقل ۱۷؍ سال مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتا رہا، بس چھٹی میں آ کر ان کی محبتوں سے متمتع اور لطف اندوز ہوتا۔

وہ میرے لیے اچھی اچھی چیزیں بناتیں، جو چیزیں پہلے سے میرے لئے رکھی ہوئی ہوتیں وہ دیتیں، بلکہ اپنے ہاتھ سے کھلاتیں، وہ تربیت کا کوئی پہلو نہ چھوڑتیں، ایک مرتبہ گھر سے ایک روپیہ بغیر اجازت کے لیے لیا، اور اس میں سے کچھ پیسے کھالئے، اس پر پٹائی کی اور پھر سمجھایا کہ بغیر پوچھے کوئی چیز نہیں اٹھایا کرتے، جب کہیں جانا ہوتا تو وہ فرماتی کہ بھائی ''کلمہ'' پڑھ کے بیٹھا کریں، کہ کلمہ کی برکت سے اللہ تعالی حفاظت کرتا ہے، پھر ایک نصیحت یہ بھی فرماتیں، بھائی کسی کے گھر کا ''مٹھا کھٹا'' نہیں کھایا کرتے، اور پھر اس پر بعض واقعات بھی سناتیں کہ فلاں کو فلاں نے حسد کی وجہ سے میٹھے وغیرہ میں زہر کھلا دیا تھا، ہم بہن بھائیوں میں سے کوئی بھی گھر سے باہر بغیر پوچھے جا ہی نہیں سکتے تھے اور گھر سے کہیں جا کر اگر دیر ہو جاتی، یا بچوں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو جاتے، تو وہ فوراً تلاش کے لیے خود باہر آ جاتیں، دن میں دیر ہونا تو ان کو شاق گزرتا ہی تھا، مگر مغرب بعد تو وہ ہرگز پسند نہ کرتی تھیں کہ ہم لوگ گھر سے باہر رہیں، جب بھی مدرسے میں جانا ہوتا تو وہ حکم فرماتیں کہ جاتے ہی خریت سے پہنچنے کا خط لکھ دینا، اور اب جب سے فون چلے ہیں، اور کہیں بھی جانا ہوتا تو وہ فرماتیں کہ جاتے ہی فون کر دینا، چنانچہ اس کا اہتمام کیا جاتا، اگر کبھی کسی مشغولیت کی وجہ سے فون نہ کر سکا، تو وہ پریشان ہو جاتیں، خود فون کراتی اور خیریت معلوم کرتیں۔

اپنی پوری طالب علمی کی زندگی میں ان کے لیے دعاؤں کا بہت اہتمام کیا، چونکہ وہ اکثر بیمار رہتی تھیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں والدین ہی ظاہری طور پر ذریعہ ہوا کرتے ہیں، اس لئے راقم کو اس کی بہت فکر تھی، کہ کہیں میں طالب علمی کے زمانہ میں ہی ماں کے سایہ سے محروم نہ ہو جاؤں، اور میری تعلیم ناقص رہے، اللہ تعالی نے اس کی لاج رکھی، اور ماشاء اللہ وہ حیات رہیں، ۱۹۸۷ء میں جب کہ راقم کی عمر ۱۳؍ سال تھی، کسی سے یہ سنا تھا کہ اگر کوئی ستر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ لے، تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، تو راقم نے اپنی والدہ کی نیت کر کے اس کے لیے ۷۰؍ ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھا، روزانہ جتنی تسبیح پڑھتا، ایک کاغذ

پر تاریخ کے ساتھ لکھ لیتا، وہ کاغذ میری جیب میں رہتا تھا، میں نے سوائے والدہ کے کسی کو اس عمل کی اطلاع نہیں دی تھی، بعض اساتذہ نے میری جیب میں وہ کاغذ دیکھ کر حیرت کی، مگر الحمدللہ راقم نے والدہ کے لیے یہ عمل کیا، جس کا بدلہ بالیقین اللہ تعالی نے ان کو مغفرت اور درجات کی بلندی کی شکل میں دیا ہوگا، اللہ تعالی نے طالب علمی کے ۱۷/سال پورے کرادئے، فراغت کے بعد مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، پھر یہ دعا کرتا یا اللہ میری والدہ کو ابھی حیات رکھ، تا کہ میں نے جو کام شروع کیا ہے، اس کی ترقی کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے، چنانچہ اللہ تعالی نے اس کی بھی لاج رکھ لی، اور الحمدللہ اس نے مرکز کی ترقی اور اس کے تحت دواداروں کو چلتا دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلیں، غرضیکہ اب تک اپنی جوتمنائیں تھیں، وہ الحمدللہ اس کے سامنے پوری ہوگئیں تھیں، اور اس کی بھی تمام حسرتیں اور تمنائیں پوری ہوگئیں تھیں، اس نے اپنے بچوں کو پڑھا لکھا کر شادیاں بھی کردی تھیں، اس وقت اس کے آٹھ پوتے پوتیاں اور سولہ نواسے اور نواسیاں ہیں، اس کو پوتے دیکھنے کی بڑی خواہش تھی، اللہ نے وہ بھی پوری کرادی، اس کی حج کی تمنا تھی، اللہ نے ۲۰۰۵ء میں وہ بھی پورا کرادی اور راقم کو والدین کے ساتھ حج کی سعادت نصیب ہوئی، اس کے بعد جولائی ۲۰۱۰ء میں راقم نے والدہ کے ساتھ عمرہ کی سعادت حاصل کی، اس طرح ہر مؤمن کی جو آخری تمنا ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے گھر کی زیارت کی سعادت حاصل کرلے، اللہ تعالی نے اس کی بھی توفیق عطا فرمائی، اب تو اس کی تمنا تھی کہ بس اللہ مغفرت فرمادے، اور اپنے پاس بلالے، چنانچہ اللہ تعالی نے اس کی یہ تمنا بھی پوری فرمائی، اللہ ان کی بال بال مغفرت وبخشش فرما کر کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔

چونکہ والد صاحب کی تاریخ پیدائش یکم اپریل ۱۹۳۲ء ہے، اس لئے والد صاحب کی عمر ۸۰/سال کے قریب ہوگئی، والدہ پانچ چھ سال چھوٹی بھی ہوں گی، تو اس اعتبار سے ان کی عمر ۷۴/سال ہوگی، کسی عورت کے لیے اتنی عمر ہونا بڑی سعادت کی بات ہے، والدہ صاحبہ زندگی بھر اپنے معمولات کی پابند رہیں، وہ چونکہ حافظہ تو نہیں تھیں مگر جو یاد تھا، اس کو پابندی سے پڑھتیں، نماز کا ہمیشہ اہتمام کیا ہے، نوافل، اور صلاۃ التسبیح اکثر پڑھتی تھیں، درود شریف، استغفار اور تیسرے کلمہ کی تسبیح پابندی سے کرتی تھیں، ان کی تسبیح ہر وقت پاس رہتی تھی، رمضان میں روزے اہتمام سے رکھتیں، کتنی بھی شدید تکلیف ہوتی، مگر انہوں نے روزہ ضائع نہیں کیا، تراویح کی ۲۰/رکعت ہمیشہ پڑھتی تھیں، گاؤں میں کوئی بھی غریب یا بیوہ ہوتی، اس کے پاس کھانے کی چیزیں، پکا ہوا کھانا، کپڑے اور ضرورت کی چیزیں ضرور بھیجتی تھیں۔

راقم کے ساتھ چونکہ ہمیشہ خصوصیت کا معاملہ کیا، اس لیے مدرسہ میں جاتے وقت والد صاحب ضابطے میں جو پیسے خرچ کے لیے دیتے تھے، اس کے علاوہ والدہ پھر اپنی رقم میں سے الگ سے دیتیں، چھٹی میں گھر آتا تھا، راقم کو بزرگوں سے ملنے اور ان کے پاس جانے اور سفر کرنے کا بہت شوق تھا، اس شوق کی تکمیل میں والدہ ہی زیادہ معاون ہوتی تھیں، الحمدللہ مجھے چپکے سے کرائے وغیرہ کے لئے پیسے دیدیا کرتی تھیں۔

مرکز قائم کرنے کے بعد جب بھی کبھی کوئی تعمیری کام شروع ہوا تو اس میں ضرور تعاون کرتیں، والد صاحب کی ایک رقم مدرسے کے ذمہ تھی، جب لڑکیوں کے مدرسہ کی تعمیر کا کام ہو رہا تھا، تو ایک کمرہ والدہ کی طرف سے تعمیر ہوا، اور والد صاحب نے وہ اپنی رقم اس کمرے کے لئے والدہ کی طرف سے ادا کر دی، ابھی عید الفطر کے بعد مدرسے کی مسجد میں ماربل (سنگ مرمر) لگایا گیا، جس کے لیے والدہ نے اپنی اکٹھی کی ہوئی رقم میں سے ساڑھے تین ہزار روپے دئے، پھر بقرہ عید کے بعد قرآن کریم کی اشاعت کا پروگرام بنایا، تو والدہ صاحبہ کے پاس ۴۰۰/روپئے تھے، وہی دیدئے کہ یہ میری طرف سے لگا لیئے جائیں، انتقال سے پہلے اس کے پاس ۲۰/روپئے رکھے ہوئے تھے، اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میری وفات ہوجائے تو یہ رقم مدرسہ میں دیدی جائے، چنانچہ ان کے کہنے کے مطابق، سب بہن بھائیوں نے بخوشی یہ رقم مدرسہ میں دیدی، الحمدللہ وہ پردے کی بھی بہت پابند تھیں اور بے پردگی پسند نہیں کرتی تھیں، نمازوں کی پابند تھیں، سخت سے سخت تکلیف میں بھی وہ نماز نہیں چھوڑتی تھیں، اذان ہوتے ہی نماز پڑھ لیا کرتی تھیں، ان کی صرف ۷/نمازیں فوت ہوئی ہیں، جن کا فدیہ ادا کر دیا، ان کو یہ بڑی فکر رہتی تھی کہ کوئی نماز ان کے ذمہ نہ رہے، اس لیے ان کی پہلے سے یہ ہدایت تھی کہ اگر میری نمازیں چھوٹیں تو ان کا فدیہ ادا کر دینا، والدہ کی یہ بھی دعا تھی کہ اللہ تعالی اسے ''چلتے پھرتے ہاتھوں پیروں'' اٹھالے، تاکہ وہ کسی کی محتاج نہ رہے، الحمدللہ اللہ نے اس کی اس بات کی بھی لاج رکھی، اور وہ اس کے دربار میں حاضر ہوگئیں، اخیر کے ۱۶/۱۷/دنوں میں اس کی خدمت کی توفیق اللہ تعالی نے میری ہمشیرہ انیسہ خاتون- جو حافظ قرآن ہیں- کو دی، اور اس نے خوب خدمت کی، نمازیں اہتمام سے پڑھوائیں، وضو کرایا، کبھی تیمّم کرایا، اگر استنجاء کی ضرورت ہوئی تو استنجاء خانہ میں لے گئیں، بہرحال وہ ہر وقت خدمت کے لیے حاضر رہتی، اللہ تعالی اس کو خوش رکھے اور جزائے خیر عطا فرمائے، الحمدللہ والدہ کی خدمت خوب ہوئی، بڑے بھائی ڈاکٹر ہیں، ضرورت پڑنے پر فوراً انجکشن لگاتے، دوائی دیتے، بھائی اور ان کی اہلیہ اور ان کی بچیوں حنا اور دانش نے بھی خوب خدمت کی اور راقم کی اہلیہ نے بھی، اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، کبھی ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوتی، راقم پاس ہوتا تو آنکھوں میں آنسوں آجاتے اور اپنے پر قابو نہ رہتا، تو وہ تسلی دلاتی، بھائی روؤ نہیں، دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے ہیں گویا کہ سخت تکلیف میں بھی وہ اپنی تکلیف بھول جاتی اور ہمیں تسلی دلاتی۔

والدہ صاحبہ بہت جفاکش اور محنتی عورت تھیں، اس نے ہمیشہ گھر کے کام بھی تن تنہا بہت مستعدی سے کئے، جب ہمارے مکان کچے تھے، گھر پر گارا، مٹی کا کام بھی کرلیا کرتی تھیں، جب پکے بنے تب بھی وہ بہت سے کام خود کرلیا کرتی تھیں، شروع شروع میں اس نے سوت کات کر بھی گھر کی ضروریات پوری کیں؛ بلکہ ہم نے خود ان کو سوت کاتتے ہوئے دیکھا ہے، کھانا وغیرہ بنانے کا اچھا ذوق اور مہارت رکھتیں، ہمیں ایسے لذیذ کھانے فراوانی اور شادی کے بعد نصیب نہ ہوئے، جیسے عمدہ اور لذیذ کھانے وہ سادہ کھانوں کی شکل میں تیار کر دیتی تھیں، والد صاحب کے وسیع تعلقات کی بنا پر مہمانوں کی آمد ورفت زیادہ رہتی تھی، اس لیے وہ ہر طرح کے کھانے بنانے کا اچھا ذوق رکھتی تھیں، ان کو بچپن کی کچھ نظمیں اور اشعار یاد تھے، وہ جب یکسو ہوتی تو گنگناتی رہتی تھیں، وہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے بیعت بھی تھیں، وہ بات کرنے میں بھی مخاطب کا لحاظ رکھتی تھیں،

حالانکہ وہ دیہات کی عام سی عورت تھیں، مگر تہذیب سے گفتگو کرتی تھیں، اب بڑھاپے میں اس کو اپنے پوتوں سے بہت ہی تعلق تھا، ان کو لیٹی لیٹی بھی کھانا کھلاتی تھیں، خاص طور سے بڑے بھائی کے بچے سلمان وعثمان تو ایسے تھے کہ اسی کے ہاتھ سے کھانا کھا کر اطمینان حاصل کرتے تھے، میرے بچے بھی امامہ عزیزی اور عبداللہ عزیزی روزانہ اس سے ملاقات کرتے، سر پر ہاتھ رکھوا کے آتے، اور اس کی دعائیں لیتے۔

❖❖❖❖❖ ——— ❖❖❖❖❖

اس وقت وہ ہم سب بہن بھائیوں کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی تھی، ہر ایک اپنے راز کی بات، اپنی اچھی بری اسی کو بتلاتا تھا، اگر کسی کو کسی کی بات سے کوئی اختلاف ہے، تو یہ اختلاف بھی اسی کے دربار میں پیش کیا جاتا، اور وہ اپنی حکمت سے مسائل کا حل کرتی تھیں، راقم تو اپنے راز، اپنی ترقی، اپنی خوشی وغمی کی تمام باتیں ماں ہی کو بتلاتا تھا، کہیں سے مدرسہ کے سلسلہ میں کوئی رقم آئی یا کوئی خوشخبری ملی جا کر والدہ صاحبہ سے بتلا دیا، وہ بہت خوش ہوتیں، دعائیں دیتیں، راقم نے ادارہ قائم کیا، اس سلسلہ میں جو باتیں پیش آئیں، اچھی باتوں پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتیں اور پریشان کن باتوں کے لیے وہ اللہ تعالی سے حل کی درخواست کرتیں، اور دعائیں کرتیں، یہاں تک کہ رات میں جب بھی آنکھ کھل جاتی، اس وقت بھی وہ دعائیں ہی کرتیں، راقم نے جب سے لڑکیوں کا مدرسہ قائم کیا، تقریباً سات سال ہو گئے، تو میری رہائش گاہ کچھ الگ اور تھوڑی دور ہو گئی، روزانہ ہمیشہ کا معمول راقم کا یہ رہا کہ عصر بعد والدہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اس کے پاس بیٹھتا، اپنی سناتا اس کی سنتا، اس کی دعائیں لیتا، ادھر ایک سال سے اور جب جب بھی تکلیف زیادہ ہوتی تو راقم صبح ۱۰/۱۱ بجے اور عصر بعد خدمت میں حاضر ہوتا، ورنہ عام طور سے عصر بعد حاضر ہوتا، مگر اس سال تو روزانہ صبح وشام ہی حاضری ہوتی تھی، اگر کبھی سہارنپور یا کہیں اور چلا گیا اور رات میں عشاء کے وقت یا بعد میں واپس آتا، تو آتے ہی پہلے والدہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، پھر اپنی قیام گاہ پر آتا، اگر کبھی زیادہ رات ہو جاتی تو آمد کی اطلاع دیتا کہ میں آ گیا اور اطمینان دلا دیتا کہ ان شاء اللہ صبح کو حاضر ہوں گا، اس طرح اللہ تعالی کی توفیق سے روزانہ اس کی زیارت کر کے دعائیں حاصل کرتا، ہر ممکن اس کو راحت پہنچانے کی کوشش کرتا، اور وہ بھی لمبی لمبی دعائیں دیتی تھیں، اگر کبھی وہ ہماری نالائقی سے ناراض ہوتی تو اللہ سے دعا کرتے اور اس سے معافی مانگ لیتے، وہ خوش ہوتی اور معاف کر دیتی، مگر اس طرح کی نوبت زندگی میں شاید ایک آدھ مرتبہ ہی آئی ہے، اللہ تعالی معاف فرمائے۔

❖❖❖❖❖ ——— ❖❖❖❖❖

والدہ صاحبہ شیر پور خانہ زاد پور، ضلع سہارنپور کی رہنے والی تھی، ان کے والد جناب نظام الدین صاحب تھے، جو نیک صالح اور دیندار آدمی تھے، اور پیشہ کے اعتبار سے کاشتکار تھے، والدہ کے دو بڑے بھائی تھے، جو کئی سال پہلے انتقال کر چکے تھے، دونوں صاحب اولاد تھے، دو چھوٹی بہنیں تھیں، وہ بھی انتقال کر چکی تھیں، وہ بھی صاحب اولاد تھیں، اب وہ سب بھائی بہن اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے، اللہ تعالی سب کی مغفرت فرمائے، راقم کی عمر ۳۸ سال کے قریب ہو رہی ہے، ۱۶/۱۷ سال مدرسہ کی زندگی ہے، باقی ۲۱/۲۲ سال اس کی خدمت میں رہنا ہوا، کتنی باتیں اس کی زندگی کی ہیں، اگر سب لکھی جائیں تو ایک دفتر درکار ہے، بس یہی باتیں یہاں

نقل کر کے کچھ غم ہلکا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ورنہ تو یہ حادثہ ایسا ہے کہ اس کے وقوع سے پہلے- اگر چہ اس کا وقوع تو یقینی تھا اور ہر آدمی کے لیے یقینی ہے، مگر- یہ سمجھتا تھا کہ کیسے برداشت کروں گا، مگر اللہ تعالی کے فضل اور بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالی نے صبر جمیل عطا فرمایا، اور اس کو برداشت کرنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائی، اللہ تعالی ہم سب بھائی بہنوں میں اتحاد و اتفاق اور محبت کو باقی رکھے، اور ہم سبھوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور والد صاحب کا سایہ تادیر صحت و عافیت کے ساتھ قائم رکھے۔

عام مسلمانوں کے علاوہ جن علماء دین نے نماز اور تدفین میں شرکت کی، ان میں مولانا ریاض احمد صاحب مظاہری استاذ مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور، مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر، مولانا سلیم احمد صاحب قاسمی ناظم مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور، مولانا شمیم احمد صاحب قاسمی صدر مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، مولانا محمد ایوب صاحب مظاہری مہتمم جامعہ سبیل السلام مظفری، مولانا اطہر صاحب مظاہری استاذ مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، مولانا عزیز اللہ ندوی ناظم ادارۃ الصدیق بہٹ، مولانا قاری عاشق الٰہی صاحب نائب مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، مولانا محمد جمشید صاحب ومولانا محمد ہاشم صاحب اساتذہ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، ڈاکٹر شفیق احمد صاحب رائے پور، الحاج منشی عبد الغفور صاحب ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، الحاج حافظ عبد الستار صاحب ناظم مالیات مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، الحاج حافظ محمد ایوب صاحب صدر مرکز امام رحمت اللہ کیرانوی محمد پور، مولانا مطلوب احمد ندوی شیخ الحدیث جامعہ خدیجہ للبنات، مولانا زاہد حسن ندوی ومولانا محمد ساجد ندوی اساتذہ مرکز امام رحمت اللہ کیرانوی، مولانا امجد علی قاسمی، الحاج حافظ شوکت علی جمال پور، مولانا حمید اللہ قاسمی، مولانا سید محمد فاروق ندوی، قاری توصیف عالم جامعی، قاری محمد ندیم، قاری عبد الرحمٰن، قاری شاکر حسین، قاری ذاکر حسین وغیرہم حضرات تھے۔

بروقت دماغ نے جتنا کام کیا اور جن حضرات کو دعاء اور ایصال ثواب کے لیے فون کیا، ان حضرات نے دعائے مغفرت بھی کی اور تعزیتی کلمات سے بھی نوازا، ان میں حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری کو مکہ مکرمہ میں اور مولانا حکیم محمد عثمان صاحب قاسمی کو مدینہ منورہ میں دعا کے لیے کہا اور ان حضرات نے دعائیں کی، اسی طرح مرشد و مربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا عبد اللہ حسنی ندوی، مولانا بلال حسنی ندوی، مولانا کبیر الدین فاران مظاہری، مولانا طاہر صاحب قاسمی، مولانا عامر صاحب ندوی، حضرت مولانا یحییٰ بام صاحب، حضرت مولانا حافظ ایوب کڑوا صاحب، حضرت مولانا نذر الحفیظ ندوی، الحاج موسی درسوت صاحب، حضرت الحاج ڈاکٹر شفیق احمد صاحب، حضرت مولانا قاری عاشق الٰہی صاحب، حضرت الحاج مفتی ظہور الدین صاحب قاسمی، مولانا عبد الواجد ندوی، مولانا سید محمد ریاض ندوی وغیرہ کو فون کیا اور دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست کی، سبھوں نے الحمد للہ دعائیں کیں۔

بعد میں تعزیت کے لیے جو حضرات تشریف لائے، ان میں الحاج عتیق احمد صاحب رائے پوری ناظم مدرسہ فیض ہدایت درگلزار

رحیمی خانقاہ رائے پور، مولانا ساجد صاحب قاسمی استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، مولانا محمد عرفان قاسمی ڈائریکٹر ''الفاروق'' لائبریری کھجناور، مولانا کبیر الدین فاران مظاہری ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا، قاری علی شیر صاحب استاذ مدرسہ قادریہ مسروالا، مولانا محمد رضوان صاحب مظاہری مہتمم مدرسہ سراج العلوم فتح پور، مولانا محمد یعقوب صاحب ندوی ناظم جامعہ خیر النساء للبنات پپلی مزرعہ، ڈاکٹر سید منظور عالم صاحب ناظم مدرسہ عزیز القرآن صابری کھجناور، الحاج شوکت نسیم ریہڑ (بجنور) مستری محمد شہزاد کمیش پور اور سیاسی لوگوں میں جو حضرات آئے وہ جگدیش سنگھ رانا (ایم پی) نریش سنگھ سینی اور بھی دیگر حضرات آتے رہے اور تسلی دیتے رہے، اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، جن حضرات نے فون پر تعزیتی کلمات پیش فرمائے، ان میں حضرت مولانا محمد طاہر صاحب مظاہری استاذ مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور، حضرت مولانا محمد عباس صاحب مظاہری ناظم مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور، مولانا نور الہدی قاسمی مہتمم مدرسہ دار العلوم فاروقیہ دیوبند، مفتی ظہور الدین صاحب قاسمی مہتمم مدرسہ قاسم العلوم سرائے روہیلہ دہلی، مولانا محمد یامین مبلغ دار العلوم دیوبند، مولانا سید سلمان نقوی ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا انعام اللہ صاحب قاسمی استاذ المعہد الاسلامی مانک مئو، مولانا حبیب اللہ قاسمی استاذ جامعہ کاشف العلوم چھٹملپور، مولانا رحمت اللہ نیپالی ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا مشہود السلام ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد فرمان ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا سید ریاض ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد منذر ندوی جامعہ دار القرآن سرخیز احمد آباد گجرات، مولانا عابد حسین ندوی ناظم مرکز الامام رحمت اللہ کیرانوی محمد پور، انجینئر امتیاز صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ، ڈاکٹر عمران صاحب سہسوان بدایوں، حافظ محمود صاحب رسول پور بجنور، مولانا ناصر الدین مظاہری استاذ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا صغیر احمد قاسمی استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی سکریٹری مولانا سید ابوالحسن ندوی اکیڈمی بھٹکل، حنیف بھائی بھولا انکلیشور، زاہد حسن بجنوری (ریاض) مفتی شاہ محمد صاحب نے دہلی سے تعزیتی پیغام بھیجا، عمر علی خان نے بھی فون پر تعزیت کی، یہ نام جو یاد آئے ہیں، لکھ دئے گئے، جن کے نام نہ لکھے جاسکے یا جنھوں نے کسی بھی طرح کی ہمدردی کی ہے، سب کا شکر گزار ہوں، سب کو اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے، بعض حضرات نے والد صاحب کے نام جو تحریری طور پر تعزیتی خطوط بھیجے، ان میں مولانا اختر صاحب کا تعزیتی خط ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام جناب ماسٹر حافظ عبد الستار صاحب عزیزی دام اقبالکم

سابق استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، ضلع سہارنپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل بذریعہ قاری محمد عاشق الٰہی صاحب صدر المدرسین جامعہ دوران سفر یہ خبر سن کر انتہائی قلق ہوا کہ آنجناب کی اہلیہ مرحومہ کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رفیقہ حیات کی جدائی یقیناً باعث غم ہے، مگر یہ وقت سب کو ہی دیکھنا ہے، اور اس راہ سے ہر ایک کو گذرنا ہے، آپ کی اہلیہ مرحومہ خوش نصیب خاتون تھیں، کہ ان کے بطن سے نیک اور صالح اولا دو جود میں آئی، جو یقیناً دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں سرخروئی کا انشاء اللہ باعث ہوگی، ایک مفتی مسعود سلمہ ہی ہزاروں میں ایک ہیں، جن سے اللہ تعالی بہت بڑا کام لے رہا ہے، اللہ تعالی ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

ایسے موقع پر صبر کے سوا چارہ نہیں، جامعہ میں آج بعد نماز فجر طلباء و مدرسین نے مرحومہ کی روح کو ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھا اور دعاء کی، اللہ رب العزت مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور پسماندگان اولاد و احفاد و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

۲۸/۳/۱۴۳۳ھ محمد اختر قاسمی

مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، سہارنپور

دوسرا تعزیتی خط مولانا قاری عاشق الٰہی صاحب کا ہے:

مخدوم و مربی جناب الحاج حافظ ماسٹر عبدالستار صاحب عزیزی عمت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحیہ وآداب! یہ جان کر کہ جناب مفتی محمد مسعود عزیزی صاحب سلمہ کی والدہ محترمہ بلکہ ہم سب فیضیافتگان (تلامذہ) کی روحانی ماں یعنی آنجناب کی رفیقہ حیات بتاریخ ۲۷/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰/فروری ۲۰۱۲ء رحلت فرما گئیں، جس سے انتہائی صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فدوی نے دوران تعلیم وتربیت آپ کی زبانی بارہا مرحومہ کی بہت خوبیاں وخصائل حمیدہ سن رکھیں ہیں، جو آج اچانک ذہن میں ایسی تازہ ہوگئیں ہیں کہ گویا انہیں فدوی ابھی سن رہا ہے، امی مرحومہ پابند صوم وصلاۃ با اخلاق اور انتہائی ملنسار، ہمدرد وغم گسار تھیں، غرباء پروری تو گویا گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، آپ پر گزرنے والے وقت کے نشیب وفراز میں صبر وسکون کے ساتھ نہ صرف ساتھ دیتی تھیں، بلکہ بسا اوقات آپ کو اور پورے گھر والوں کو ترغیب دے کر حالات کا مقابلہ صبر واستقامت کے ساتھ کرنے کا درس دیتی تھیں، ایسی عالی صفات عورتیں کم پیدا ہوتی ہیں، جو قائدانہ خدمات انجام دیتی ہیں، لیکن استاذ محترم دنیا میں ہر آنے والا جانے کے لیے آیا ہے، موت سے رستگاری ناممکن ہے، اس لیے صبر میں نعم البدل کا وعدہ ہے، میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ آپ کے اوپر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے، اور سبھی صاحبزادگان پر بھی، میں بھی غم میں برابر کا شریک ہوں اور بصمیم قلب دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی مرحومہ کو اگلے عالم میں سکون نصیب فرمائے۔ آمین

آپ کا خادم

۲۱/۲/۲۰۱۲ء محمد عاشق الٰہی

خادم المدرسین جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپور

تیسرا تعزیتی خط جناب حضرت مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مجاہد پوری کا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قابل صد احترام پیارے بھائی جناب الحافظ الحاج منشی عبدالستار صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب والا کی رفیقہ حیات کے انتقال پر ملال کی خبر بذریعہ ٹیلیفون ہوئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محترم بھائی یہ دنیاوی زندگی عارضی اور فانی ہے، اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اسے جانا ضرور ہے، ہاں خوش نصیب ہے وہ جانے والا جو باقیات الصالحات اور ذخیرہ آخرت چھوڑ جائے۔

ماشاءاللہ مرحومہ تو اپنی اولاد کی عمدہ سے عمدہ تربیت کر کے گلستان عزیزی کو کہکشاں بنا کر عالم آخرت کی طرف روانہ ہوئیں، جس میں نوع بنوع کے پھولوں سے کاشانۂ عزیزی مہک رہا ہے اور گل لالہ برخوردار عزیزم مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی سلمہ نے اپنی تقریر وتحریر اور ادارہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی اور اس کے تحت جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ اور جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات قائم کر کے پورے عالم کو مہکار کھا ہے۔

عزیز محترم خداوند قدوس نے آپ کے گھرانہ پر بے شمار نعمتیں ورحمتیں برسا رکھی ہیں، اللہ تعالی کے بے بہا انعامات کا شکر ادا کیجئے اور مرحومہ کے سانحۂ ارتحال پر صبر کیجئے۔

آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے نواسے کے انتقال پر اپنی صاحبزادی حضرت زینب کو ان کلمات طیبہ کے ساتھ تسلی دی تھی "ان للّٰہ مااخذ وللہ مااعطی وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب" بے شک اللہ نے جو لیا وہ اسی کا ہے، اور جو اس نے دیا وہ اسی کا ہے، اور ہر ایک کا اس کے پاس وقت مقرر ہے (جو بے صبری یا کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا) لہٰذا صبر کرنا چاہئے اور ثواب کی امید رکھنی چاہئے، رفیق محترم میں بھی ان ہی کلمات متبرکہ کے ساتھ تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ ارحم الراحمین مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام عنایت فرمائے، اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق فرمائے، آمین۔ والسلام

یکم مارچ ۲۰۱۲ء　　　　　　　　خیر اندیش

محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

چوتھا تعزیتی خط جناب الحاج منشی عبدالغفور صاحب کا ہے:

مکرمی محترمی جناب الحاج ماسٹر عبدالستار صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۰ر فروری ۲۰۱۲ء یوم الاحد کو آنجناب کی رفیقہ حیات کے انتقال پر ملال پر نہایت رنج وغم، اندوہ وملال ہوا، جو ایک فطری اور بشری جذبہ ہے، معلوم ہے کہ مرحومہ نیک سیرت، پاک طینت، نہایت خوش نصیب، باکردار صالح خاتون تھیں، سعادتمند، ہونہار

لائق وفائق فرزندان ڈاکٹر مرغوب عالم اور باصلاحیت عالم دین مفتی مسعود عزیزی صاحبان کی والدہ ہونے کا شرف حاصل تھا، صوم وصلاۃ، تقوی طہارت، تسبیحات، ودیگر معمولات کی بڑی پابند تھیں، کلمہ حق پر روح نے قفس عنصری سے جائے بقاء کو پرواز کی، نماز جنازہ میں نمازیوں کا جم غفیر ہونا وغیرہ مرحومہ کی عنداللہ مقبولیت ومغفرت کی علامات سعیدہ ہیں، اب ہم سب کے لیے صبر ورضا اور مرنے والی کے لیے ایصال ثواب بخشش کی دعاؤں کے علاوہ چارۂ کار نہیں، لہٰذا یہاں مدرسہ ''انوار القرآن نعمت پور'' میں مرحومہ کی روح پرفتوح کو تمام طلبہ اساتذہ نے اجتماعی طور پر مدرسہ کی مسجد جامع میں ایصال ثواب کیا، اور دعائیں بھی کیں، کہ حق تعالی مرحومہ کی روح کو اعلی علیین میں اعلی سے اعلی مقام عطا فرمائے، بال بال مغفرت کے فیصلے فرمائے، اخروی درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے:

خداوندا دے ان کو جنت میں جا ❁ ملے ٹھنڈی ٹھنڈی بہشتی ہوا

تمام پسماندگان اور جملہ لواحقین بالخصوص آنجناب کے غم زدہ دلوں پر صبر جمیل کا القاء فرمائے، آپ کے اس حادثہ جاں کاہ میں اراکین مدرسہ برابر کے شریک ہیں، تعزیت مسنونہ خدمت عالیہ میں پیش ہے۔

شریک غم

عبدالغفور ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور

یکم مارچ ۲۰۱۲ء

پانچواں تعزیتی خط جناب حافظ سید عبدالسمیع صاحب کا ہے:

بخدمت جناب مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب دامت برکاتہم

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کی والدہ محترمہ کی وفات کی خبر محمد فاروق کے ذریعہ ملی، خداوند قدوس کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہر نفس کو آخر کار اس دنیائے فانی سے رخصت ہونا بہر حال ہے، لیکن انسان اپنے پیچھے ان جگر گوشوں کو چھوڑ کر جاتا ہے، جن پر اس کے احسانات وعنایات اور اس کی شفقت ومحبت بے پایاں اور بے شمار ہوتے ہیں، اور پھر ماں تو وہ نعمت ہے جس کی آغوش شفقت ومحبت میں انسان پرورش پاتا اور پروان چڑھتا ہے، اس کا اس دنیا سے آخرت کا سفر اختیار کرنا اور دنیا سے روپوش ہوجانا اس کے جگر پاروں کے لیے ان کی زندگی کا خاص طور پر ایک عظیم حادثہ ہے، اللہ تعالی ان کو اپنے دامن رحمت میں جگہ عنایت فرمائے، اور ان کے درجات کو بلند فرمائے، آنجناب کو اور دیگر لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، احقر بار بار حاضری کا ارادہ کرتا رہا، اور آج بھی آنے کا پروگرام طے تھا، لیکن تقریباً دو ماہ سے مسلسل ہونے والے درد نے مزید شدت پکڑ لی جس کی بنا پر حاضری ناممکن رہی، اب خاص دعاؤں کی درخواست کرتے ہوئے اپنے اس تعزیت نامہ کو ختم کرتا ہوں۔

عبدالسمیع

کھجناور، ضلع سہارنپور

۲۰۱۲/۲/۲۶ء

چھٹا تعزیتی خط عزیزم مولوی محمد شاکر سلمہ کا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استاذ محترم، معمار نسل نو حضرت مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اخبار کی شہ سرخی سے معلوم ہوا کہ مرکز کے روح رواں کی والدہ محترمہ ایک مختصر علالت کے بعد مالک کائنات کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے، آغوش رحمت میں جا پہنچی، یہ خبر بجلی بن کر ایسی گری کہ قوائے عمل شل سے ہوگئے، دل ودماغ میں یکایک اللہ تعالی کا ارشاد آیا"کل نفس ذائقة الموت"پھر شاعر کا یہ شعر زبان پر آیا:

عمر بھر زیست کے ہمراہ اجل جاتی ہے
تاک میں رہتی ہے یک لخت نگل جاتی ہے

مرحومہ کے اس عظیم حادثہ وفات میں صرف عزیزی خاندان شامل نہیں بلکہ آپ کے شاگرد بھی برابر کے شریک ہیں، استاذ محترم آپ کو کیا تحریر کیا جائے، کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہے، پھر مرحومہ کو اللہ تعالی نے آپ جیسا عالم دین بیٹا نصیب فرمایا جو ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے، آپ سے وہی کہتا ہوں جو ایک بدوی نے حضرت عبداللہ ابن عباس کو حضرت عباس کی وفات پر کہا تھا:

خیرمن العباس اجرك بعده ۞ واللّٰه خیرمنك للعباس

(آپ کو عباس سے بہتر ان کی وفات کا اجر ملے گا، اور عباس کو آپ سے بہتر اللہ اور لقائے رب میسر ہو گیا)

یقیناً مرحومہ نہایت دیندار، عابدہ، زاہدہ، نیک سیرت، صابرہ، قانعہ اور علماء کرام کی قدرداں تھیں، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین

۲۰۱۲/۲/۲۸ء

شریک غم
محمد شاکر مظفری
متعلم المعہد الاسلامی مانک مئو، سہارنپور

والدہ محترمہ کے اس حادثہ پر گھر کے افراد نے اپنے درد وغم کے اظہار میں جو مضامین لکھے ہیں، آئندہ صفحات میں وہ مضامین پیش کئے جارہے ہیں، اور اس حصہ کو ''گوشہ ماں'' سے موسوم کیا جارہا ہے، قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ والدہ مرحومہ کے لیے دعا فرمائیں، اللہ تعالی ان کی سیئات ولغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام نصیب فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

گوشۂ ماں

رفیقہ حیات کی جدائی

حافظ عبدالستار عزیزی

میں اس سانحہ، ہوش ربا واقعہ اور حیرت ناک بات کو کمال افسوس سے لکھتا ہوں کہ مورخہ ۲۰ رفروری ۲۰۱۲ء بروز پیر میری رفیقہ حیات راہی عالم بقا ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، اس صدمہ سے میرے عقل وہوش بجا نہیں، ہر دم اسی کا خیال، ہر لحظہ اسی کا ملال، ہر طرح اپنے دل کو سمجھاتا ہوں، لیکن ان کے ساتھ دیرینہ رفاقت کا طویل سفر کچھ سمجھنے نہیں دیتا، مگر صبر کے علاوہ انسان کر بھی کیا سکتا ہے، مختار کل، خالق کائنات اپنی ملکیت میں جو چاہے، جب چاہے، جیسا چاہے تصرف کرے، کسی کو مجال دم زدن نہیں، اس کے فیصلے پر تسلیم ورضا اس کے بندوں کا شیوہ ہے۔

اس حادثہ فاجعہ سے ایسا مبتلائے الم ہوا کہ نشتر غم نے جگر کو زخمی کر دیا ہے:

دنیا میں کوئی داغ سے خالی جگہ نہیں
بے داغ چرخ پر بھی تو روشن قمر نہیں

دنیا نہیں ہے کچھ بھی جو دیکھا بچشم غور
اس پر وہ مبتلا ہیں کہ جن کو نظر نہیں

افسوس کیسے کیسے امیر وفقیر، حکیم وفہیم
دنیا میں پیدا ہو کر، ناپید ہو گئے

موت کا گر ہوتا حکمت سے علاج
کاہے کو مرتا کوئی یونان میں

سب اہل خانہ حسرت وافسوس میں ہیں، جس اہل تعلق نے سنا، دم بخود ہو کے رہ گیا، کیونکہ ان کی ذات سے خاص وعام کو فائدہ تھا، بڑی بامروت، شفیق، ہمدرد، غمگسار، عابدہ، زاہدہ، صالحہ، صابرہ، شاکرہ اور صوم وصلاۃ کی پابند خاتون تھیں، ہمیشہ اپنی شفقتوں اور احسان مندی سے سب متعلقین کو مسرور کرتی تھیں، خدا ان کو غریق رحمت کرے، واقعی دنیا ایک خواب غفلت ہے، عدم جس کی تعبیر ہے، زمانہ ایک مرقع حیرت، فنا جس کی تصویر ہے:

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں، سچ پوچھو تو کیا خاک جیئے
جب موت سے آ کر کام پڑا سب قصے قضیئے پاک ہوئے

بہر کیف مشیت ایزدی کے سامنے دم مارنے کی گنجائش نہیں، کیونکہ کل کاموں کا فاعل وہی ہے۔

افسوس بسا ہوا گھر اجڑ گیا، سنسان ہو کا مکان ہوگیا، سچ ہے کہ دنیا رنج والم کا مقام ہے، جس راہ وہ گئی، ہم کو بھی درپیش ہے، بس معاملہ تقدیم وتاخیر کا ہے، بجز موت کے چارہ نہیں، دم مارنے کا یارا نہیں۔

مرحومہ نے اپنے پیچھے دو لائق بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں، جو اس کے لیے صدقہ جاریہ ہیں، چونکہ سب اس کے لیے دعاؤں کا اور ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں، قرآن شریف پڑھتے ہیں، اللہ ہم سبھوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، سبھی قارئین سے مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعاء کی درخواست ہے۔

گوشۂ ماں

دو بڑی بیٹیوں کا اپنی ماں کی جدائی پر احساسِ غم

محترمہ مفیدہ خاتون، پہلی مزرعہ، یمنا نگر (ہریانہ)

میری ماں مجھ سے بہت محبت کیا کرتی تھی کیونکہ میں ماں کی سب سے پہلی بچی تھی، اس لیے جب میں چھوٹی سی تھی تو میری امی پہلے مجھ کو مدرسہ میں بھیجا کرتی تھی، اور کہا کرتی تھی کہ سبق سنا کر جلدی سے آنا پھر میری مالش کرنا، میں جلدی سے گھر آجایا کرتی تھی، پھر میں اپنی امی کی خدمت کیا کرتی تھی، جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنی امی کو اکثر بیماری کی حالت میں ہی دیکھا، شادی سے پہلے میں نے اپنی ماں کی بہت خدمت کی، مگر جب میری شادی ہوگئی، پھر میری والدہ صاحبہ نے مجھے خدمت سے روک دیا تھا، کیونکہ میں بھی سسرال جا کر بیمار ہونے لگ گئی تھی، اگر میں اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت کرنے لگ جاتی تو میری والدہ صاحبہ مجھ کو منع کر دیتی، اور کہتی کہ تو خود بیمار ہے تو میری کیا خدمت کرے گی، بیٹی بس اللہ تجھے خوش رکھے، میری ماں اس طرح میرے لیے دعائیں کیا کرتی تھی، لیکن میں بیمار ہونے کے ساتھ ساتھ بھی اپنی ماں کی تھوڑی سی خدمت کر دیا کرتی تھی، اس تھوڑی سی خدمت میں ماں مجھ کو بہت ساری دعائیں دیتی تھی، مگر میں ماں کی بہت زیادہ خدمت نہ کر سکی اور اس طرح میرے سر سے میری ماں کا سایہ اٹھ گیا۔

میری والدہ صاحبہ ابھی کچھ دن پہلے بہت زیادہ بیمار تھی، میں اپنی والدہ کی تب بھی خدمت نہ کر سکی، میں تو اس کی خدمت سے محروم رہی لیکن میری جو چھوٹی بہن انیسہ خاتون ہے، اس نے میری والدہ کی بہت خدمت کی ہے، اور میری والدہ صاحبہ نے اسے خوب دعائیں بھی دی ہیں، بس اب تو میری یہ درخواست ہے کہ سب میری ماں کے لیے مغفرت کی اور درجات کی بلندی کی دعائیں کریں اور میں بھی اپنی ماں کے لیے دعائیں کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ جگہ نصیب فرمائے۔

~~محسنہ خاتون حسنہ والا، بہاری گڑھ، ہریدوار~~

میری پیاری امی جان جو کئی برسوں سے بیمار تھی، وہ بروز پیر ۲۷/ ربیع الاول مطابق ۲۰/فروری ۲۰۱۲ء کی شام کو تقریباً ۷/ بجے انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کے انتقال سے دو روز پہلے میری ملاقات امی جان سے ہوئی تھی، لیکن یہ کیا معلوم تھا کہ میری ماں مجھ سے دو دن بعد جدا ہو جائے گی، اور ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر چلی جائے گی، میں تو اپنی امی کی خاطر بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں مگر مجھے کچھ نظر نہیں آرہا ہے، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے، جب بھی کچھ لکھنے بیٹھتی ہوں تو قلم سے روشنائی نکلنے کی بجائے آنکھوں سے آنسو ہی نکلنے لگتے ہیں، بس صرف ایک بات بڑی مشکل سے لکھ پائی ہوں کہ میری امی جان بیماری کی حالت میں بھی ہم تمام بہنوں اور بھائیوں کا خیال رکھتی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بیماری کی اس مشقت کے باوجود بھی اپنی نماز کا پورا اہتمام رکھتی تھی، اور دعائیں دیتی تھی، بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

❁❁❁

میری پیاری ماں مجھ سے بہت محبت کرتی تھی، میں گھر میں اکیلی

گوشۂ ماں

ماں تو ماں ہی ہے

محترمہ انیسہ خاتون جمالپور، سہارنپور

تھی، کیونکہ میری بڑی بہنوں کی شادی ہوگئی تھی، جب میں پڑھنے جایا کرتی تھی تو میں اپنی ماں کا پورا کام کر کے جایا کرتی تھی اور پھر ماں مجھ کو کہتی تھی کہ جلدی آ جانا میں پریشان ہوں، پھر میں جلدی سے سبق سنا کر آ جاتی، تو ماں مجھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتی اور دعائیں دیتی، میں بہت جلدی سے قرآن مجید ناظرہ پڑھ لیا تھا، اس لیے میری ماں نے مجھ کو مشورہ دیا کہ میری بیٹی اب تو قرآن کو حفظ کر لے، تو میں نے اپنی امی کی بات مانی اور قرآن شریف حفظ کر لیا تھا، میں اپنی امی کو قرآن شریف سنایا کرتی تھی، امی کو قرآن شریف سننے کا بہت شوق تھا اور پھر میں نے امی کو قرآن پاک کی ایک سورت، سورۂ یٰسین کا ایک رکوع بھی حفظ یاد کروا دیا تھا۔

میری امی پڑھی ہوئی تو نہیں تھی لیکن پھر بھی میں اپنی کتابیں پڑھ کر سنایا کرتی تھی اور مجھ سے نظم وغیرہ بھی سنا کرتی تھی اور مجھ کو دعائیں دیا کرتی تھی، اب وہ دعائیں بہت یاد آتی ہیں اور بس ہر وقت دل میں خیال آتا ہے کہ اب کون مجھے دعائیں دے گا اور کون مجھ کو سمجھائے گا، آخر ماں تو ماں ہی ہوتی ہے، اور ماں کا سایہ میرے سر سے اٹھ گیا، سچ کہا ہے کسی شاعر نے:

کیسے کیسے گھر اجاڑے ہیں موت نے
کھیل کتنوں کے بگاڑے ہیں موت نے
پہلوان کیسے کیسے پچھاڑے ہیں موت نے
اب تلک کتنوں کو قبر میں اتارا ہے موت نے

میری پیاری امی کو جب بھی کوئی کام یا مشکل پیش آتی تو مجھ کو ہی پکارا کرتی تھی، اور اگر مجھے بھی کوئی بیماری پیش آتی تھی تو میں بھی فوراً اپنی امی کو ہی بتاتی؛ لیکن مجھے آج افسوس ہے کہ میں اب کس کو پکاروں گی اور کس کو اپنی بات بتاؤں گی، ورنہ ماں مجھ کو سمجھاتی تھی کہ بیٹی صبر کرو، دیکھو میں کتنی بیمار ہوں، میں صبر کرتی ہوں اور مجھ کو تسلی دیا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ اپنی نمازوں کا پورا پورا اہتمام کرنا، میری امی نے بہت زیادہ تکلیف اٹھائی ہے، دو ماہ سے تو زیادہ ہی بیمار تھی، ان کو پیٹ میں بہت زیادہ درد ہوتا اور کمر میں بھی تو میں ان کی کمر پر مالش کرتی رہتی، ان کی خدمت میں لگی رہتی تھی اور پھر ماں مجھ کو کہتی کہ اے میری بیٹی تیرے ہاتھ میں بھی درد ہونے لگا ہوگا، تو میں کہتی نہیں امی جان! کچھ نہیں ہوگا۔

پیر کے روز صبح آٹھ بجے میری امی کو بہت زیادہ پریشانی ہو رہی تھی اور ہم کو بار بار کہہ رہی تھی کہ میرے پاس قرآن شریف پڑھو! تو ہم سب نے وضو کر کے پڑھنا شروع کر دیا، اور اسی وقت میری امی نے بھی اپنی زبان سے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا، برابر پڑھتی رہی، پھر میرے بڑے بھائی ڈاکٹر مرغوب عزیزی نے ان کو پانچ انجکشن لگائے؛ لیکن کچھ بھی اثر نہیں ہوا کیونکہ ان کو درد بہت ہو رہا تھا، اور بس رو رہی تھی، مغفرت کی دعائیں کر رہی تھی، استغفار کر رہی تھی، پھر جب کوئی اثر نہیں ہوا تو میں اور میرے بڑے بھائی ان کو جولی گرانٹ ہوسپٹل میں لے کر گئے، امی کو وہاں بھی پریشانی ہو رہی تھی، وہ مجھ سے پانی مانگ رہی تھی؛ لیکن میں ان کو پانی نہیں دیا، کیونکہ آپریشن کا پروگرام بن رہا تھا، اس لئے نرس نے منع کر دیا تھا، اس کی بنا پر مجھ کو

بہت افسوس ہو رہا ہے، اور جب وہ پریشانی کے عالم میں تھی تو اپنی نمازوں کی فکر میں تھی، بار بار کہہ رہی تھی، دیکھو میری نمازیں کتنی قضا ہونگی، ان کو یاد رکھنا، تو میں کہتی تھی کہ امی مجھ کو سب یاد ہے، یہاں تک وہ اسی حالت میں اپنے پروردگار کے پاس چلی گئی، اللہ تعالی نے ہمیں ہمت دی کہ ہم اسی وقت دل پر پتھر رکھ کے صبر کر کے امی کو لے کر گھر پہنچے اور صبح کو تدفین ہوئی۔

میں اپنی امی کے پاس سویا کرتی تھی اور جب امی رات میں اٹھتی، تو آرام سے اٹھا کرتی تھی کہ کہیں میری بیٹی انیسہ کی آہٹ سے آنکھ کھل جائے، اور اس کی نیند خراب ہو، مگر کہاں ایسی نیند تھی، میں فوراً اپنی امی کی آہٹ پا کر اٹھ جایا کرتی تھی، پھر کہتی تھی کہ اے میری بیٹی تو اتنی پریشان مت ہو، تو میں کہتی تھی کہ نہیں ماں، جب تو نے مجھ کو پالا اور میرے لئے اتنی پریشانی اٹھائی اور مجھ کو تو نے میٹھی نیند سلایا تو امی میں آپ کی وجہ سے کیوں نہ پریشان ہوں۔

الحمدللہ مجھ کو اللہ نے اتنا موقع دیا کہ میں نے اپنی امی کی خوب خدمت کی، اللہ تعالی قبول فرمائے، اب ہر وقت خیال رہتا ہے کہ ان سب باتوں کو میں کس طرح سے بھول سکتی ہوں، مجھ کو ہر لمحہ امی کی یاد آتی ہے، کس طرح سے برداشت کروں، میرے اوپر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے، اب میں اپنی سب باتوں کو ختم کرتی ہوں اور اللہ تعالی سے دعا کرتی ہوں کہ اللہ مجھ کو اور سب گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالی میری امی کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام نصیب فرمائے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

❁❁❁❁

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰/روپئے
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰/روپئے
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳/روپئے
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰/روپئے
۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰/روپئے
۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۵/روپئے
۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰/روپئے
۸- التدخین بین الشرع والطب (تمبا کو ونشہ آور چیزیں وغیرہ، عربی) ۲۰/روپئے۔
۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰/روپئے
۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰/روپئے
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰/روپئے
۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپئے
۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپئے
۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸/روپئے
۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (انیس بزرگوں کے حالات) ۱۵۰/روپئے
۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷/مضامین کا مجموعہ) ۳۰/روپئے
۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰/بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰/روپئے
۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰/روپئے
۱۹- افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۱۰۰/روپئے
۲۰- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ۲۰۰/روپئے
۲۱- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ ۲۰/روپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

گوشۂ ماں

ساس کا فراق غم

صائمہ عزیزی اہلیہ ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

میں اپنی ساس کے متعلق چند باتیں پیش کرنا چاہتی ہوں، الحمدللہ میری شادی کو ۱۹؍سال کے قریب ہوگئے ہیں، کبھی میں نے ان کو سکھ چین سے نہیں پایا، ہمیشہ ان کو بیماری میں مبتلا دیکھا، اور الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اتنا موقع دیا کہ میں ان کی خوب خدمت کی، میں ان کو ہمیشہ وقت پر کھانا پکا کر دیا کرتی تھی، پہلے ان کو کھانا کھلاتی تھی بعد میں خود کھاتی تھی اور اگر کبھی زیادہ ہی بیمار ہوجاتی تھی تو فوراً ان کو دوائی وغیرہ دیا کرتی تھی، پھر وہ مجھ کو دعا دیا کرتی تھی اور وہ ہمیشہ میرے پاس رہا کرتی تھی اور میں بھی ان کے پاس ہی رہا کرتی تھی، اور رات میں ہم سب ان کے پاس ہی بیٹھا کرتے تھے، اور وہ ہم کو سمجھایا کرتی تھی، اب ان کی سب باتیں یاد آرہی ہیں، میں نے دوسری عورتوں کی ساسیں تو بہت دیکھی ہیں لیکن کوئی ایسی نہیں دیکھی، کبھی اپنی نماز اور روزہ کو نہیں چھوڑا، اور جب ان کی زیادہ ہی طبیعت خراب ہوتی تھی تو ان کو وضو کراتی تھی، اور نماز پڑھوایا کرتی تھی، اور مجھ سے کہتی تھی کہ میری نماز کا دھیان رکھنا، الحمدللہ کبھی میں ان کے مشورہ کے بغیر کچھ کام نہیں کرتی اور ان کی اجازت کے بغیر گھر سے ایک قدم بھی نہ رکھتی تھی، پہلے ان سے پوچھتی تھی، اگر وہ اجازت دیتی تھی تو میں اس کام کو کرلیتی تھی، ورنہ نہیں کرتی تھی، اگر کبھی میں اپنے میکے جاتی تو ان کا دل بہت اداس ہو جاتا تھا، تو کہتی تھی کہ جلدی آنا اور دعاء کرتی رہتی تھی، وہ ہمیشہ ہماری ہی فکر میں رہتی تھی اور اپنی تکلیف کو برداشت کیا کرتی تھی، اور اگر زیادہ بھی درد ہوتا تو خود دوائی کھالیا کرتی تھی، یا انجکشن لگوالیا کرتی تھی، دوماہ سے تو ان کی زیادہ ہی طبیعت خراب تھی، ۱۹؍فروری اتوار کی رات سے زیادہ ہی تکلیف ہورہی تھی، ایسی حالت میں ان کے برابر انجکشن لگ رہے تھے اور وہ دوائی بھی استعمال کررہی تھی لیکن کچھ اثر نہیں ہورہا تھا، درد کی شدت اور بھی بڑھتی جارہی تھی، اور اتنی پریشان ہورہی تھی کہ ہم ان کو دیکھ کر برداشت نہیں کرپارہے تھے: ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

پھر ان کی یہ حالت دیکھ کر ہم نے قرآن شریف پڑھنا شروع کردیا تھا، لیکن ان کو برابر بے چینی ہورہی تھی، پھر جلدی سے ان کو ہاسپٹل میں لے کر گئے، لیکن وہ جانے کو تیار نہیں ہورہی تھیں، ان کو زبردستی ہاسپٹل لے جایا گیا، ان کے بارے میں کیا کیا بیان کیا جائے، مجھے اس بات پر بہت افسوس ہے کہ جب وہ کبھی ہاسپٹل جاتی تھی، تو مجھ کو ہمیشہ سمجھا کر جاتی تھی لیکن اس دن کچھ نہیں کہہ سکی تھی، اور میں ان کی ہی خدمت میں لگی رہتی تھی، اگر وہ کچھ کام کو کہتی تھی تو میں کرلیتی تھی، ورنہ تو نہیں کرتی اور میرے بیٹے سلمان وعثمان تو ہمیشہ ان کے ہاتھ ہی سے کھانا کھاتے تھے اور میں ان کی مرضی کے مطابق کام کرتی تھی، لیکن آج میں اس افسوس میں ہوں کہ میں اب کس کی مرضی چلایا کروں گی، لیکن اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے کہ بچی کی شادی ہوتی ہے، تو ایک ماں کو چھوڑ کر آتی ہے تو دوسری ماں ساس کی شکل میں مل جاتی ہے، لیکن آج اس ماں کا بھی سایہ سر سے اٹھ گیا ہے، جیسے بچے ماں کے بغیر پریشان ہوجاتے ہیں، اسی طرح سے ہم ان کے بغیر بے چین اور پریشان ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

گوشۂ ماں

میری ساس جوارِ رحمت میں

سارہ عزیزی ناظمہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات، مظفرآباد

راقمہ سطور کی ساس ایک عرصے سے بیمار تھی، سر اور پیٹ کے درد میں مبتلا رہتی تھی، آج کل پیٹ کے درد میں مبتلا تھی، پیٹ کے درد میں ۲۷؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بروز پیر مغرب کے وقت جولی گرانٹ میں اللہ کے حضور میں حاضر ہوگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ کی بندی اتنی زیادہ صبر وتحمل والی تھی کہ دنیا میں شاید ہی کوئی دیکھا ہو، اگر کبھی زیادہ تکلیف ہوتی اور نماز قضا ہو جاتی تو ہوش آتے ہی پہلے اپنی نماز ادا کرتی تھیں، روزے کی اتنی پابند کہ رمضان کے روزے بغیر سحری کے رکھ لیتی تھی، ہم لوگ کہتے امی بعد میں قضا کر لینا، مگر فرماتی تھی نہیں نہیں، کیا پتہ میری کس وقت موت آجائے، صبح کو جلدی اٹھتی اور فجر کے بعد اپنے معمولات نوافل ذکر واذکار تسبیحات کرتی رہتی تھی، اور اپنے بیٹے مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے لیے، مرکز کے لیے اور مدرسۃ البنات کے لیے بہت دعائیں کرتی رہتی تھی، راقمہ کی ساس ایک ممتاز ساس تھی، جس طرح عام طور سے ساس اور بہو میں ان بن ہو جاتی ہے، ہم میں الحمدللہ کبھی بھی ان بن نہیں ہوئی، کبھی تکرار اور جھگڑا نہیں ہوا، انہوں نے ہمیشہ ہمیں بیٹی کی طرح سمجھا، اور ہم نے ہمیشہ ان کو ایک پیاری اور مشفق ماں سمجھا، آخری وقت وفات سے ایک دن پہلے اتوار کے روز ۱۹؍فروری کو راقمہ، بچے اور میرے شوہر (مفتی صاحب) جب ملنے کے لئے گئے تو جا کر سلام کیا اور خیریت معلوم کی تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور اپنی چھوٹی پوتی خدیجہ عزیزی کو چھاتی پر لٹا کر رونے لگی اور کہنے لگی کی میری قسمت میں تجھے کھلانا مقدر نہیں، بس وہ ملاقات آخری ملاقات تھی، خوب دعائیں دی، چونکہ راقمہ کو اپنے شوہر کے ساتھ جنوبی افریقہ کے ایک مہمان حافظ ایوب صاحب کڑوا اور ان کے اہل خانہ سے ملنے کے لئے دہلی جانا تھا، اور حافظ صاحب اور ان کے اہل خانہ کئی سال پہلے ہمارے یہاں آئے تھے اور ہماری ساس سے بھی ملاقات ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے کہا کہ حافظ صاحب کی بیوی سے میرا ابھی سلام کہنا، ہم لوگ دہلی کے لئے روانہ ہوگئے، راستہ میں گھر پر فون کر کے پوچھتے رہے، لیکن ہمارے نکلتے ہی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی اور رات بھر پریشان رہی، اس لئے پیر کے روز صبح کو ہم لوگ گھر کے لئے چل دئے کہ ماں کی طبیعت زیادہ خراب ہے، ڈاکٹر مرغوب صاحب ان کو جولی گرانٹ لے کر گئے اور مفتی صاحب کو فون کیا کہ ماں کی طبیعت زیادہ خراب ہے اور چیک اپ کرایا تو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آنت پھٹ گئی ہے، اور آپریشن کرانا ہوگا، ہم چونکہ راستہ میں تھے، ہم نے کہا فوراً آپریشن کرایا جائے، ہم لوگ پہنچ رہے ہیں، خیر آپریشن کی تیاری ہو رہی تھی کہ ماں اپنے اللہ کے یہاں حاضر ہوگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کو فوراً لے کر گھر آگئے، رات کے اس وقت دس بج رہے تھے، سب گھر والوں کے اوپر آسمان ٹوٹ گیا، سب لوگ اپنے ہوش کھو بیٹھے، جو جہاں تھا، وہیں رہ گیا، اور ماں کے غم میں نڈھال ہوگیا، گھر کا بچہ بچہ رونے لگا، خیر مفتی صاحب نے تمام اکابر، اہل تعلق اور رشتہ داروں کو اطلاع کر دی کہ امی کا انتقال ہوگیا ہے، کل صبح گیارہ بجے نماز جنازہ ہوگی، اللہ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، تمام قارئین سے مغفرت اور بلندی درجات کی درخواست ہے۔

گوشۂ ماں

دادی اماں کی جدائی

نظمہ حیات بنت ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

اس دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں اپنے دادا اور دادی کا پیار ملتا ہے، ورنہ تو بیچارے کتنے ایسے ہوتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی والدین کا سایہ سر سے اٹھ جاتا ہے، لیکن میرے اوپر اللہ کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے میرے ماں باپ کے علاوہ دادا دادی کا بھی سایہ اب تک میرے سر پر رکھا تھا، دادا اور دادی کا سایہ اور پیار بڑے خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، انہی خوش قسمت میں سے میں بھی ایک ہوں، میری دادی اماں مجھے سے بے پناہ محبت کرتی تھی، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پورے گھرانے میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی پوتی میں ہی تھی، میں نے جب آنکھ کھولی تو والدین کے پیار کے ساتھ دادا اور دادی کا پیار ملا، پہلی اولاد ہونے کے ناطے میری پرورش اور تربیت میں بہت سے لوگوں کا ہاتھ ہے، اگر ایک طرف والدین تھے تو دوسری طرف دادا اور دادی، یہی نہیں بلکہ میری تینوں پھوپھیاں بھی مجھے بہت چاہتی تھی، ان سب کے علاوہ میرے مشفق اور مہربان چچا (مفتی محمد مسعود) مجھ کو بہت پیار کرتے تھے، میرے چچا جب مدرسہ سے گھر آتے تو مجھے کھلاتے اور لوریا دیتے، یہ سب باتیں تو مجھے معلوم نہ تھی لیکن میری دادی اماں نے مجھے بتلائی تھیں، اس لیے ان کے چلے جانے سے ساری باتیں ذہن میں گردش کر رہی ہیں۔

آج جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئیں تو احساس کے آنسو تھمنے کی بجائے اندر ہی اندر جذب ہو رہے ہیں کہ آخر ہماری دادی اماں نے ہمیں جو پیار دیا تھا، ہم نے کما حقہ ان کے پیار کا بدلہ نہیں دیا، اس لئے اب مجھ کو سب سے زیادہ غم دادی اماں کی جدائی کا ہے، لیکن اس راستہ سے ہم سب کو گزرنا ہے، میری دادی مجھ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتی تھی اور میں ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی، رات میں بھی ان کے پاس ہی لیٹی تھی اور خدمت کرتی تھی اور وہ مجھ کو بہت ہی زیادہ دعائیں دیتی تھیں اور جب میں مدرسہ میں جاتی تو دادی اماں کو پوچھ کر جاتی، آج دادی اماں کی یہ سب باتیں میرے دل و دماغ میں گھوم رہی ہیں، چونکہ اس کی شفقتیں مجھ پر بہت زیادہ تھیں، مجھے بڑے شوق سے پالا تھا، کتنی عنایتیں اس کی مجھ پر تھیں جو میں بیان نہیں کر سکتی۔

دادی اماں رات میں ہم سب کو قصے اور اچھی اچھی باتیں سناتی تھیں، وہ ہزاروں میں ایک تھی، جس طرح چاند آسمان پر ایک ہے، اور ہم سب بہن بھائیوں سے بہت محبت کرتی تھی، میری چھوٹی بہن رابعہ کو بہت زیادہ سمجھاتی تھیں، رشتہ داروں پڑوسیوں سے بہت محبت کرتی تھیں، اگر ہمارے گھر کوئی آتا تو اس کو محبت اور سلیقہ سے بٹھاتی، ان کے ساتھ الفت و محبت کی باتیں کرتی تھی اور روزانہ صبح آٹھ بجے میری ماں مجھ کو مدرسہ بھیجتی تھی اور اچھی باتوں کی تلقین کرتی تھی اور بری باتوں سے روکتی تھی اور کہتی تھی کہ ٹھیک وقت پر جلدی جلدی کام کر کے مدرسہ چلی جایا کرو، اس طرح دادی اماں کی بہت سی باتیں ہیں، مگر میرا قلم ساتھ نہیں دے رہا ہے، اس لئے انہیں باتوں پر اکتفا کرتی ہوں، اللہ تعالیٰ دادی اماں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

گوشۂ ماں

دادی اماں کے متعلق کچھ باتیں

دانش عزیزی بنت ڈاکٹر مرغوب عالم

میں حیران ہوں، پریشان ہوں کہ کس طرح سے بیان کروں، کہاں سے شروع کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، کیا کیا بیان کرو، لیکن قلم میں وہ ہمت وطاقت نہیں وہ زبان کہاں سے لاؤں، مگر دل پر پتھر رکھ کر لکھتی ہوں۔

جب میں چھوٹی سی تھی، ماں مجھ کو اپنے ساتھ باہر کھلانے کے لیے جایا کرتی تھی، اور جب میں بڑی ہوگئی تو مجھ کو اپنے پاس بٹھا کر سمجھایا کرتی تھی، اور جب میں مدرسہ سے آتی تھی تو نقاب اتارنے سے پہلے ہی فوراً اماں کے پاس بیٹھ جایا کرتی تھی، اور جب ماں مجھ کو صبح میں اٹھاتی تو میں کہتی تھی کہ نہیں ماں میں تو آج مدرسہ سے آئی ہوں، میں نہیں اٹھوں گی لیکن جب ماں پریشان ہوتی تو میں اٹھ جایا کرتی تھی اور پھر رات میں مجھ سے نعت نظم تقریر وغیرہ سنا کرتی تھی، اور بہت دعائیں دیا کرتی تھی، اور میں ماں سے کچھ بھی بات نہیں چھپاتی، ان کے مشورہ سے ہی کام کرتی تھی اور اگر مجھ کو کوئی پریشانی ہوتی تھی تو میں فوراً اماں کو بتاتی تھی تو ماں مجھ کو تسلی دیا کرتی تھی اور اگر میں بیمار ہوگئی تو فوراً مجھ کو دوائی دیا کرتی تھی، اور پھر جب میں مدرسہ میں جایا کرتی تھی تو پوچھ کر جاتی تھی اور اگر میں ایسے ہی چلی جاتی تو ماں کہتی تھی کہ آج مجھ کو دانش پوچھ کر نہیں گئی، تو مجھ کو بہت احساس ہوتا تھا اور جب پوچھ کر جاتی تو بہت دعائیں دیا کرتی تھی اور اگر ماں مجھ سے ناراض ہوجاتی تھی تو فوراً معافی مانگ لیا کرتی تھی، اور اپنی غلطی کا احساس ہوتا تھا، اور جب میں سلمان، عثمان، عبداللہ، امامہ اور رابعہ کو مارتی یا کچھ کہتی تو فوراً بولتی تھی کہ ان کو مت مارو، ورنہ میں تیرے لے بہت ہوں، اور جب میں نماز نہیں پڑھتی تھی تو مجھ کو اپنے سامنے نماز پڑھوایا کرتی تھی اور جب میں صبح کو نہیں اٹھتی تھی تو ماں مجھ کو اٹھاتی تھی اور کہتی تھی کہ یا تو اٹھ جاؤ ورنہ چارپائی سے نیچے گراؤنگی تو میں ڈر کی وجہ سے فوراً اٹھ جایا کرتی تھی، اور میں ماں کے ساتھ مذاق بھی بہت کیا کرتی تھی، ماں کو پریشان بھی بہت کیا کرتی تھی، اور میری پیاری سی ماں کچھ بھی نہیں کہا کرتی تھی، اور کبھی کبھی ماں یہ بھی کہہ دیتی کہ میں تو دنیا سے رخصت ہونے والی ہوں مگر میں کہتی تھی کہ نہیں ماں، ابھی تو تم بہت دن تک رہوگی، اور سلمان کہتا تھا کہ نہیں ماں تم بہت دن تک رہوگی میں تو تمہاری چارپائی پکڑ لونگا۔

میرے دونوں بھائی عثمان اور سلمان انہی کے ہاتھ سے کھانا کھاتے تھے اور اگر کبھی زیادہ بھی بیمار ہوتی تھی لیٹ کر بھی کھلا دیتی تھی، منع نہیں کرتی تھی، اور الحمدللہ کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتی تھی، اور کبھی جھوٹ بھی نہیں بولتی تھی، الحمدللہ ہمیشہ سب کو اچھی باتیں بتایا کرتی تھی ہمیشہ نمازوں کی پابندی، تسبیحات اور ذکر واذکار بھی بہت کیا کرتی تھی اور جب کبھی میرا دل نہیں لگتا تھا تو میں کہتی تھی کہ ماں کچھ باتیں بتا دیجئے، تو اماں جان مجھ کو حج کے سفر کی اور دین کی باتیں بتاتی اور پھر میرا دل لگ جاتا، الحمدللہ انہوں نے حج اور عمرہ بھی کر رکھا تھا، اور اب میں ان باتوں کو ختم کرتی ہوں، اللہ تعالی سے دعا کرتی ہو کہ اللہ تعالی ہم سب گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، تمام قارئین سے دعاء کی درخواست ہے، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام نصیب فرمائے۔

گوشۂ ماں

نانی کے متعلق چند باتیں

محمد اکرم عربی چہارم متعلم مدرسہ اختر العلوم جلال آباد، بجنور

ہماری نانی صاحبہ ہم سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی، محبت تو سب سے کرتی تھی، مگر ہم سے کچھ زیادہ ہی کرتی تھی، نانی بہت ہی نیک عورت تھی، ذکر واذکار بہت کیا کرتی تھی، اور دین کی باتیں زیادہ کرتی تھی، اور پردہ کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتی تھی، الحمدللہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور نانی کے یہاں آنا شروع کیا ہے آج تک میں نے نانی کو نہ تو کوئی نماز چھوڑتے ہوئے دیکھا اور نہ کوئی روزہ، پنجگانہ نماز کے علاوہ اور بھی نمازیں مثلاً تہجد، اشراق، اوابین وغیرہ پڑھتی تھی اور تسبیح تو ہر وقت کیا کرتی تھی، تسبیح کو اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیتی، آج تک میں نے اپنی نانی کو کسی کے ساتھ بیکار باتیں جھگڑا وغیرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا؛ لیکن اگر کبھی کسی دوسرے نے یا اپنے نے کچھ کہہ بھی دیا تو اس سے بدلہ نہ لیتی تھی، ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے ٹال دیتی تھی، بس اس کو تو دین کی باتوں کے علاوہ دنیوی باتوں سے زیادہ تعلق نہ تھا، ہر وقت آخرت کی فکر رہتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ موت کا کوئی بھروسہ نہیں، پتہ نہیں کہ کس وقت موت آجائے، پردہ کا اتنا اہتمام تھا کہ بوڑھی ہونے کے بعد عورتیں پردہ کرنا چھوڑ دیتی ہیں مگر ہماری نانی نے بوڑھی ہونے کے باوجود بھی پردہ میں رہ کر سارا کام کیا، اور نماز کی بہت زیادہ پابند تھی اتنی زیادہ کمزور ہونے کے بعد بھی نماز کو نہ چھوڑا، اگر نماز کھڑی ہو کر پڑھنے کی طاقت نہیں تھی تو بیٹھ کر پڑھتی تھی اور اپنی پوتیوں (حنا اور دانش) کو بھی نماز کا حکم دیتی تھی، اور ہر وقت زبان پر کلمہ جاری رہتا تھا، اتفاق سے اگر دو تین نمازیں بیماری کی وجہ سے قضا ہو جاتی تھی تو پریشان ہو جاتی تھیں، اس لیے پہلے ہی سے چھوٹے ماموں (مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی) سے وصیت کر گئی تھی کہ بیٹے اگر میری کوئی نماز باقی رہ گئی تو اس کا فدیہ ادا کر دینا، ہم سب بھائیوں سے نانی اتنی محبت کرتی تھی جو بیان سے باہر ہے، اگر میں مدرسہ سے گھر آتا اور نانی کے پاس نہ آتا تو نانی فون کروا کر کہتی کہ اکرم کو میرے پاس بھیج دو، اور میرے بھائی انور، افضل سے بھی بہت زیادہ محبت کرتی تھی اور میرے چھوٹے بھائی انور کو بہت چاہتی تھی اور اس سے فون پر باتیں کرتی تھیں اور کہتی تھی کہ کب کو آرہا ہے، کیونکہ وہ اگر نانی کے پاس رہتا، تو ادھر ادھر کی باتیں سنا کر سب کو ہنساتا تھا تو اس سے نانی کا دل بھی لگا رہتا اور جب وہ دنگا کیا کرتا تھا تو نانی جب بھی اس کو کچھ نہ کہتی تھی، جب میں چھوٹا تھا تو نانی کہتی کہ جا اپنے نانا کے پاس سے پیسے لے کر دوائی لا کر دے، اب یہ نانی کی باتیں بہت زیادہ یاد آرہی ہیں، نانی ہمارے پاس کب تک رہتی آخر ایک دن تو مرنا ہی تھا، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”کل نفس ذائقة الموت“ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، آج ہماری نانی اٹھ گئی، کل ہمیں بھی وہیں جانا ہے۔

اس لئے موت سے ڈرو، موت کو کبھی نہ بھولو، ایک دن ہر شخص کو موت آنی ہے، ہر چیز فنا ہو جائے گی، کوئی چیز باقی نہ رہے گی، ہماری بڑی محرومی ہے کہ ہماری نانی کا سایہ ہمارے سر سے اٹھ گیا، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہماری نانی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

گوشۂ ماں

نظر تو آئی تھی ہلکی کرن تبسم کی

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

''ماں'' کا یہ سہ حرفی لفظ کتنا معنی خیز ہے، یہ لفظ اپنے اندر کتنی خوبیوں کو لئے ہوئے ہے، ماں کا نام زبان پر آتے ہی بدن میں ایک ہلکی سی نمی پیدا ہوجاتی ہے اور دل میں سکون ومحبت کے پھول کھلنے لگتے ہیں، بہرحال ماں کے تعلق سے جتنا بھی لکھا جائے یا کہا جائے وہ بہت کم ہے، دنیا میں اگر کوئی خوبصورت چیز ہے تو وہ ماں ہے، کسی فلسفی نے کہا تھا کہ ''دنیا میں ماں سے زیادہ حسین اور خوش رنگ کوئی چیز نہیں'' اور یہ بات حقیقت بھی ہے کہ ماں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دولت نہیں، کیونکہ اس دنیا میں ترقی اور کامیابی کا جو راز ہے وہ ماں کی دعاؤں کے اندر پوشیدہ ہے، اس لئے اس دنیائے فانی سے کسی کے ماں کا انتقال کر جانا قیامت صغریٰ کے مانند ہوتا ہے، جس کی بنا پر اس شخص کو ''یتیم'' کہا جاتا ہے، گویا کہ ماں کی گود اور اس کا سایہ اولاد کے لیے ایک روحانی اور جسمانی پناہ گاہ ہوتی ہے، جہاں پر انسان سکون واطمینان کی سانس لیتا ہے، اور اپنے دکھ و درد کو بے جھجک بیان کرتا ہے۔

دنیا میں ہر انسان مرنے کے لیے آیا ہے، یہاں پر کسی کو قرار نہیں، کیونکہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں فنا ہونے والی ہیں اور موت ایک حقیقت، جس سے کسی کو انکار نہیں، چونکہ فرمان الٰہی ہے ''كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ'' کہ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، ابھی گذشتہ مہینہ کی ۲۰/تاریخ کو ہمارے ادارہ کے روح رواں مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی والدہ محترمہ کا اس دنیا سے کوچ کر جانا راقم کے اوپر بھی بہت شاق گزرا، چونکہ راقم کا مفتی صاحب سے قربت ہونے کی وجہ سے گھر جیسا معاملہ ہوگیا ہے، کوئی بات ہوتی ہے، چاہے وہ کسی نوعیت کی ہو، مفتی صاحب فوراً پوچھتے ہیں کہ یہ کام کہاں کرایا جائے، یا کس سے کرایا جائے، یا کس طرح سے ہوگا، بہرحال اس ناچیز سے مشورہ لیتے ہیں، جس کی وجہ سے گھر کا بچہ بچہ راقم سے مانوس ہوگیا، اس لئے ان کی ماں کا مانوس ہونا اور راقم سے محبت کرنا ایک فطری بات تھی، ان کی والدہ احقر کی والدہ کے مانند تھی، جب کبھی کوئی بات گھر میں پیش آتی تو راقم کو ضرور یاد کیا جاتا، اس لیے راقم بھی مفتی صاحب کے گھر والوں سے الفت ومحبت سے پیش آتا ہے، خوشی وغمی میں برابر کا شریک رہتا، دو سال قبل جب ان کی والدہ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو راقم بے چین ہوگیا، اور مفتی صاحب کے بھانجے قاری محمد صالحین کو ساتھ لے کر گھر گیا اور ان سے ملاقات کی۔

طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہوگئی تھیں اور بستر پر لیٹی ہوئی تھیں، مگر مجھے دیکھ کر فوراً اٹھ کر بیٹھ گئیں، راقم ان کے پاس بیٹھ گیا اور خیر خیریت معلوم کرنے لگا، کہنے لگی کہ ایسے ہی کبھی کبھی زیادہ درد ہونے لگتا ہے، ویسے تو میں الحمدللہ ٹھیک ہوں، راقم ان سے باتیں کرتا رہا اور وہ راقم کو دعائیں دیتی رہیں اور کہتی رہیں کہ بیٹا محنت سے کام کرنا، کسی چیز کی پریشانی ہوگی تو بتانا، دیکھو مولوی (مفتی محمد مسعود) اکیلے ہی کتنا بڑا کام کرتا ہے، مرغوب بھی ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے، تم بھی محنت سے کام کرنا اور میرے لئے دعائیں کرنا، مزید باتیں ہوتی رہیں کہ مغرب کی اذان ہونے لگی، تو راقم وہاں سے رخصت ہونے لگا اور کہا کہ انشاء اللہ پھر آؤں گا۔

دو سال کا طویل عرصہ گزر گیا؛ لیکن یہ ناکارہ ان سے ملنے کے لیے دوبارہ نہیں گیا، یہ راقم کی محرومی سمجھئے یا بدنصیبی، ملنے کے لئے کئی بار سوچا مگر اپنے لا ابالی پن کی وجہ سے نہ جاسکا، اس سال راقم ششماہی امتحان

کی چھٹی پر گھر نہیں گیا اور مرکز ہی میں قیام کیا، تعطیل کے دو تین دن بعد ہی پھر ان کی طبیعت خراب ہوگئی، ویسے تو بے چاری اکثر بیمار رہتی تھی، مگر اتوار کے روز جب ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو سوچا کہ ان سے مل کر آتا ہوں، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب دہرہ دون (جولی گرانٹ) لے کر گئے ہیں، پھر سوچا کہ جب وہاں سے آجائیں گے، تو جا کر مل آؤں گا؛ لیکن یہ کیا معلوم تھا کہ وہی پہلی اور آخری ملاقات تھی، اس کے بعد دوبارہ ملاقات اور دیدار سے محرومی رہے گی، کیونکہ شام کو جب فون پر رابطہ کیا اور پوچھا کہ کیا حال ہے، تو خبر ملی کی وہ اللہ کو پیاری ہوگئیں، یہ بات راقم کے اوپر بجلی بن کر گری، اور عجیب سا محسوس ہونے گا کہ ابھی تو سوچا ہی تھا کہ ملاقات کروں گا، مگر یہ کیا ہوگیا، دل میں بہت سی باتیں گردش کرنے لگیں، کہ میری قسمت میں صرف ایک ہی بار ملاقات کرنا لکھا ہوا تھا، بہر حال ان کی ساری باتیں آج تک ذہن میں گردش کر رہی ہیں اور حال دل سے یوں کہہ رہی ہیں:

نظر تو آئی تھی ، ہلکی کرن تبسم کی
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

مرکز کے گیٹ پر کھڑا ہو کر سوچتا رہا کہ کاش ان سے دوبارہ ملاقات کر لیتا، ان سے دعائیں لے لیتا، کچھ اپنی اور کچھ ان کی کہہ سن لیتا، مگر کیا کیا جائے، خدا کے نظام کے سامنے سارے نظام ہیچ ہیں، دل کے اندر جو پیاس لگی تھی وہ بجھی نہیں اور اس کی تشنگی باقی رہ گئی، ملاقات بھی ہوئی مگر ایسی ملاقات کہ دوبارہ ملنے کی خواہش اور چاہت نے یہ کہہ دیا کہ ابھی ملاقات ہی نہیں ہوئی، اس لیے اور زیادہ احساس ہوا:

تشنگی جم گئی ہونٹوں پر پتھر کی طرح
ڈوب کر تیرے دریا سے بھی پیاسا نکلا

الغرض مفتی صاحب کی والدہ سے ایک ہی بار ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ طبیعت ناساز تھی، صرف تھوڑی سی بات ہوئی، ان باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک سنجیدہ اور باوقار ہونے کے ساتھ نیک سیرت، پاک طینت اور خوش نصیب عورت تھی کہ جس کی گود سے ایک ایسے ہونہار بیٹے کا جنم لینا ہی ان کی خوش نصیبی کے لیے کافی ہے۔

یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ ماں کی اہمیت اور حیثیت کیا ہے، دنیا میں ہر عورت اپنی اولاد کے لئے ماں ہوتی ہے، مگر کچھ ماؤں کو اللہ تعالی وہ مقام اور مرتبہ عطا کر دیتا ہے کہ جنہیں لوگ کچھ دنوں تک یاد کرتے ہیں، مگر یہ مقام و مرتبہ بہت کم ماؤں کو نصیب ہوتا ہے، ہمارے مفتی صاحب کی والدہ محترمہ انہی خوش نصیب ماؤں میں سے ایک ماں تھی کہ جنہیں بہت دنوں تک یاد کیا جائے گا، کیونکہ ان کا مقام و مرتبہ اور اہمیت ان کے بیٹے کی وجہ سے بہت بڑھی ہوئی تھی، جس طرح پہاڑوں اور سنگریزوں کی تعداد بے شمار ہوتی ہے، جنہیں انسان اور جانور ہر وقت پامال کرتے رہتے ہیں؛ لیکن انہیں میں کوئی پتھر، کوئی سنگریزہ لعل ویاقوت بن کر نکلتا ہے، جس کی قیمت پوری ایک سلطنت کے برابر ہوتی ہے، ایسے ہی سمندر میں ہر سال بے شمار قطرے پانی کے گرتے ہیں جو کسی حساب میں نہیں آتے، لیکن انہیں میں چند قطرے وہ بھی ہوتے ہیں جو آغوش صدف میں گر کر موتی بن کر نکلتے ہیں اور تاج سلطانی کا زیور بنتے ہیں، تو اگر ان لعل ویاقوت اور ان صدف کو کوئی توڑ دیتا ہے یا وہ کسی وجہ سے کھو جاتے تو دل پر کتنا شاق گزرتا ہے، ایسے ہی کچھ مائیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی گود سے ہیرے اور یاقوت جیسی اولاد جنم لیتی ہیں، تو ان ماؤں کا اس دنیا سے پردہ پوش فرمانا اور موت کی آغوش میں چلے جانا کچھ زیادہ غم کا باعث ہوتا ہے۔

بہر حال مفتی صاحب کی والدہ تو اپنے مالک حقیقی سے جا ملی لیکن کتنوں کے دلوں کو تڑپتا ہوا چھوڑ گئیں، مفتی صاحب اور ان کے اہل خانہ بہت غمگین ہیں، چونکہ صدمہ یقیناً جاں گسل ہے، سانحہ انتہائی الم انگیز ہے، صبر بہت مشکل ہے، مگر کیا کیا جائے صبر کرنا ہی پڑے گا، فریاد و ماتم سے تقدیریں نہیں بدلتیں، بس اللہ تعالی سے یہی دعا ہے کہ مفتی صاحب کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

گوشۂ ماں

وہ جس کے قدموں تلے جنت ہے

مولانا سید محمد ریاض ندوی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مورخہ ۲۸/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰/فروری ۲۰۱۲ء عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد خاص مقصد ذہن میں لئے ہوئے مسجد سے کمرہ لوٹ رہا تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجی، دیکھا تو استاد محترم مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کا نام اسکرین پر تھا، فوراً ذہن کو متحضر کر کے فون رسیو کیا، تو آواز میں کپکپی طاری تھی، سوالیہ نشان قائم ہوا، اور استاذ محترم نے خبر دی کہ آج مغرب بعد والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، زبان پر ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' کا ورد جاری ہوگیا اور ایسا لگا جیسے زمین قدموں کے نیچے سے نکل گئی، اور موصوف محترم نے راقم کو اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور اہل تعلق حضرات سے دعائے مغفرت کی درخواست کرتے ہوئے فون رکھا اور میرا ذہن ماضی کی ان یادوں میں گردش کرنے لگا، جب کہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد میں زیر تعلیم تھا، تو اکثر مفتی صاحب کے گھر پر حاضری رہتی تھی، اور گھر پر والدہ محترمہ کا جو سلوک میرے ساتھ تھا وہ تمام ذہن میں آنے لگا، چند منٹ تو کمرہ میں بیٹھ کر سوچتا رہا، لیکن پھر خیال آیا کہ اس طرح حاضری لکھوائی جائے، باوضو تو تھا ہی قرآن پاک پڑھا اور ایصال ثواب کیا۔

اللہ تبارک وتعالی نے مرحومہ کو اعلی اخلاق، مہمان نوازی، پاک بازی، نیک مزاجی اور صاف گوئی سے خصوصی طور پر نوازا تھا، اور ان میں وہ اعلی صفات وخصوصیات ودیعت فرمائی تھیں، جو آج کل خواتین کے زمرہ میں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں، راقم استاذ محترم کے حکم پر جب بھی گھر پر حاضر ہوتا، تو راقم کے ساتھ ان کا معاملہ بڑا ہی مشفقانہ ومربیانہ ہوتا، اور مجھے یاد نہیں کہ کبھی ایسا پیش آیا ہو کہ میں گھر پر گیا اور مرحومہ نے کھانا کھانے یا چائے پینے پر اصرار نہ کیا ہو، جب کہ میرا تعلق بھی گھر کی طرح تھا اور کیوں نہ ہوتا، اس لئے کہ ان کا معاملہ میرے ساتھ بھی بیٹے کی طرح تھا، اس کی واضح مثال یہ ہے کہ میں جیسے ہی گھر میں داخل ہوتا، تو وہ اپنے مخصوص لب ولہجہ میں کہتیں ریاض آ گیا، اور کبھی گھر کے بارے میں دریافت کرتیں، میری عمر اس وقت تقریباً ۱۳/سال تھی، ہمیشہ بشاشت وجہی کے ساتھ ملتی، کبھی ان کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں نہیں ہوتے تھے، جب بھی دیکھا تو ہنستے اور مسکراتے ہوئے ہی دیکھا، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے تئیں اولاد کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوچکی تھیں، مرحومہ کو اللہ تبارک وتعالی پانچ اولادیں عطا فرمائی ہیں، جن میں دولڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور وہ ان سبھوں کے نکاح وشادی سے فراغت پاچکی تھیں، اور ماشاء اللہ سبھی خوشحالی اور فارغ البالی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

بڑے بیٹے ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی ہیں جو کہ مدرسہ کے انتظامی امور میں تعاون کرتے ہیں اور دوسرے والدہ کے چہیتے بیٹے مفتی صاحب ہیں، جو ماشاء اللہ اچھے والدین کی لائق وفائق اولاد کی مثال کے مجسمہ پیکر ہیں، یہ ان کے خوش رہنے کی خاص وجہ نظر آتی ہے، کیونکہ اچھے والدین کی تمنا اور سب سے بڑھ کر آرزو اولاد کے حق میں یہ ہوتی ہے کہ شادی کے بعد اولاد صحیح رہے، اور ان کی زندگی بغیر کسی غم واندوہ کے گزرے، اور یہ چیزیں ان کی اولاد پر صادق آتی ہیں، جو مرحومہ کی دعاؤں کا ثمرہ بھی ہیں، مفتی صاحب روزانہ صبح کو اور عصر کی نماز کے بعد والدہ کی خیریت دریافت کرنے اور ان کی خدمت کی غرض سے گھر

تشریف لے جاتے تھے (چونکہ مفتی صاحب کی قیام گاہ چند سال سے کچھ فاصلہ پر ہے، مزید آپ کے کاندھوں پر بارگراں ہے جوتن تنہا اس عظیم کام میں دل وجان سے لگے ہوئے ہیں، اوراکثر اوقات مدرسہ کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں) جب کہ والدین سے محبت، خصوصی لگاؤ، مثال کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ جب بھی کوئی سفر درپیش ہوتا تو والدہ کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے، اب وفات کے وقت بھی دہلی کا سفر اشد ضروری تھا، تو اجازت چاہی اور والدہ محترمہ نے بخوشی اجازت دی، تب دہلی کے سفر پر روانہ ہوئے؛ لیکن کیا معلوم تھا کہ آخری ملاقات ہے اور بس، موصوف محترم دہلی سے آچکے تھے کہ ہاسپٹل میں یہ روح فرسا واقعہ پیش آیا۔

مرحومہ تقریباً تین چار مہینہ سے سخت بیمار تھیں اور وقتاً فوقتاً پیٹ میں سخت درد سے دوچار رہتی تھی، جس وقت بھی شکایت ہوتی علی الفور ہاسپٹل کی راہ دیکھی جاتی، برابر ڈاکٹروں کا علاج ومعالجہ چلتا رہا، لیکن مستقل طور پر کوئی افاقہ نظر نہیں آتا، وقتی فائدہ ہوتا تھا، جس سے ان کے درد والم میں کچھ تخفیف معلوم ہوتی تھی، اور بہانہ وہی بنا جو اللہ کو منظور تھا:"اذا جاء اجلهم فلا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون" اس دربار سے جو اعلان ہو جائے، اس سے ایک منٹ، ایک پل آگے پیچھے نہیں ہو سکتی، وقت اجل آ پہنچا، کیونکہ ساعت موعود جب آتی ہے تو ایسے دبے پاؤں اور زیر نقاب آتی ہے، بس دنیا سے رحلت اور پردہ کرنے والے کو ہی معلوم رہتا ہے، اپنی عمر کے ۷۴ سال بڑی خوشی ومسرت اور فرائض وواجبات کی ادائیگی کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی، لیکن ہر جگہ نیک نام اور ہر دلعزیز رہی، کسی کے بارے میں برا نہیں سوچا اور نہ برا گمان کیا، طبیعت میں بذلہ سنجی تھی، انہی مذکورہ باتوں کی بنا پر حادثہ سخت اور اپنی محرومی وعدم حاضری اس سے سخت تر ہے، اللہ تعالی ان کو غریق رحمت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁❁

نقوش اسلام کی ڈاک

محترم المقام قابل صد احترام

جناب مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب مدظلہ العالی

چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوں گے، ایک عرصے سے راقم الحروف ماہنامہ نقوش اسلام کا مستقل قاری ہے، اور ہر ماہ بصد شوق پابندی سے اس کا مطالعہ کرتا ہے، ماشاء اللہ آپ کا یہ ماہنامہ اسم بامسمی ہونے کی حیثیت سے روز اول ہی سے ''خوب سے خوب تر'' کی تلاش میں مسلسل بلا تکان محو سفر ہے، متنوع مگر پُرمغز اور سنجیدہ مضامین کی اشاعت اس ماہنامہ کی پہچان ہے، تاریخی، اصلاحی، دعوتی فکری اور ادبی ماہناموں اور رسالوں کے مابین اس کی حیثیت ویسی ہی ہے، جیسے مختلف ستاروں کے جھرمٹ میں بافیض اور ضوافشاں ماہتاب کی، خصوصاً ''نظام مدارس'' سے متعلق آپ کے قلم خوش رقم سے نکلنے والے اداریئے مختلف حیثیتوں سے بڑے وقیع، معلومات افزا، چشم کشا، نظر افروز اور قلب ودماغ کو اپیل کرنے والے ثابت ہوئے، اس وقیع مضمون کی اشاعت پر ڈھیر ساری دعائیں اور مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

سر دست ایک مضمون بعنوان ''علامہ سید سلیمان ندوی کی اہم تصانیف کا مختصر جائزہ'' پیش خدمت ہے، امید ہے کہ اشاعت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے، انشاء اللہ آئندہ بھی آپ کے نیک کاموں میں اس عاجز کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور رہا کرے گا، آپ کے نام اور کام سے مدتوں سے واقف ہوں، لیکن ملاقات کے شرف سے ابتک محروم ہوں "لعل الله يجمعنا في وقت قريب، وماذلك على الله بعزيز"۔

۲۰۱۲/۲/۱۶ء — محمد خالد ضیاء صدیقی ندوی

خادم التدریس جامعہ فیضان القرآن، احمد آباد، گجرات

اعلان ملکیت

ماہنامہ نقوش اسلام، مظفرآباد، سہارنپور

مقام اشاعت:	مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)
مدت اشاعت:	ماہنامہ
پتہ:	مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)
ایڈیٹر کا نام:	محمد مسعود عزیزی ندوی
پرنٹر پبلشر:	محمد مسعود عزیزی ندوی
قومیت:	ہندوستانی
ملکیت:	محمد مسعود عزیزی ندوی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

میں (محمد مسعود) تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا امور میرے علم کے مطابق صحیح ہیں

غور و فکر

بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق

مولانا محمد ولی رحمانی، سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر، بہار

مرکزی حکومت نے ہر ہندوستانی کو پڑھا لکھا بنانا چاہا ہے، اور اس مقصد کے لیے یکم اپریل ۲۰۱۰ء سے ملک میں جو قانون نافذ کیا گیا ہے، اس کا نام ہے ''بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کے حق کا قانون ۲۰۱۰ء'' جسے عام طور پر آر ٹی ای R.T.E کہتے ہیں، ہر ہندوستانی پڑھا لکھا، تہذیب یافتہ اور اپنے حق کو پانے والا اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے والا بن جائے، اس ارادہ سے نہ صرف اتفاق کرنا چاہئے بلکہ اس کی بھرپور تائید و حمایت کرنی چاہئے، اسی لیے مرکزی حکومت کے اس نیک ارادہ کو پورے ملک میں پسند کیا گیا، اور ہر ایک حلقہ نے اس کی تائید کی۔

اس قانون کو مرکزی حکومت نے کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے، جیسے یہ مستقبل کے ہندوستان کے ہر درد کا مداوا اور ہر مرض کا علاج ہو، اس لیے لوگوں نے عام طور پر قانون دیکھے، پڑھے اور سمجھے بغیر اس کی زبردست تائید کی، اور جب میں نے اس قانون کے نتائج پر لکھا، میرے مضامین آئے، تو لوگوں نے ناک بھوں چڑھانا شروع کر دیا اور یہ تأثر دیا گیا کہ تعلیم کو ''عام انسان'' تک پہنچانے کی بھی مخالفت ہو رہی ہے، لیکن اب صورتحال بدل رہی ہے اور مرکزی حکومت کی وزارت فروغ انسانی وسائل نے ایکٹ پر جب گائڈ لائن (۲۳/ نومبر ۲۰۱۰ء) جاری کیا تو بات کھل گئی کہ اس قانون میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک نہیں ہے۔

اب بھی ضرورت ہے کہ ''عام انسان'' قانون کو سمجھے، خاص طور پر بچوں کے مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کے حق کے قانون کی بنیادی غلطیوں پر غور کرے، ایسا کرنا اچھی تعلیم اور صحت مند جمہوری ملک کے لیے ضروری ہے، یوں بھی ہر باعزت اور باشعور ہندوستانی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون سمجھے اور قانونی ڈھانچہ پر نگاہ رکھے، اس کے نتیجہ میں وہ اپنے حق کو پانے کی کوشش کرے گا اور اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لیے تیار ہو سکے گا، یہ قانون RTE اور مرکزی حکومت کا جو ذہن ہے، اس کے نتیجہ میں ملک میں تعلیم کی صورتحال آنے والے برسوں میں کچھ ایسی ہو جائے گی کہ:

۱- اب چھ سے چودہ سال (اور اب تین سے اٹھارہ سال) تک کے ہر ہندوستانی کا حق ہے اور حکومت، مقامی ذمہ داران حکومت، والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عمر کے ہر بچہ/ بچی کو پڑھائیں۔

۲- اس عمر کے ہندوستانیوں کو کیا پڑھنا ہے؟ کس طرح پڑھنا ہے؟ کہاں پڑھنا ہے اور کس سے پڑھنا ہے، یہ سب اس قانون میں واضح ہے۔

۳- تعلیم گاہ (ایلمنٹری اسکول) میں کام کرنے والوں کی بحالی، برخواستگی کا مستقل سسٹم ہوگا، اسکول کی انتظامی کمیٹی کی شکل و صورت بھی قانون میں طے ہے۔

۴- ایسی ہر تعلیم گاہ میں پچیس فیصد بچے پڑوس کے لازماً ہوں گے۔

۵- کوئی بھی طالب علم بارہویں سے پہلے کی امتحان میں فیل نہیں کیا جا سکتا، وہ اسکول نہ آئے تو پوچھا نہیں جا سکتا، وہ یاد نہ کرے تو اس پر گرفت نہیں کی جا سکتی۔

یہ بنیادی ڈھانچہ ہے RTE کا، اب غور کیجئے کہ ہر بچہ/ بچی کو لازماً ایلمنٹری ایجوکیشن حاصل کرنی ہے، اس کی پڑھائی کے لیے نصاب بھی

طے ہے، پڑھائی کی جگہ (اسکول) بھی طے ہے، ماسٹر صاحب بھی طے ہیں، تو پھر مدرسہ کی تعلیم کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے؟ اور اگر والدین/ سرپرستوں نے کسی بچہ/ بچی کو مدرسہ میں داخل کر بھی دیا اور مولوی صاحب نے دینی تعلیم دی، تو وہ مجرم ہوں گے، طالب علم کی ایک درخواست پر مولوی صاحب جیل جائیں گے اور مدرسہ پر جرمانہ ہوگا، اگر والدین نے ایلمنٹری ایجوکیشن حاصل کرنے میں بچوں پر رکاوٹ ڈالی تو وہ بھی مجرم قرار دیئے جائیں گے، ایسے میں ''مدرسہ اور مکتب'' کا نام لئے بغیر اس کے خاتمہ کا معقول انتظام اس قانون میں موجود ہے۔

اوپر دی ہوئی تفصیل کے نمبر ۳ ر پر غور کیجئے، اساتذہ اور اسٹاف کی بحالی کا مستقل سسٹم، انتظامی کمیٹی کے ممبران کی تفصیل بھی طے کر دی گئی، نصاب تعلیم بھی طے کر دیا گیا، تو آئین ہند نے اقلیتوں کو اپنی پسند کے ادارے بنانے اور چلانے کا جو بنیادی حق دفعہ ۲۹ / ۳۰ ر میں مانا ہے، وہ ''حق'' کس طرح ادا ہوگا......؟ مثلاً اگر اقلیتی ادارہ یہ طے کرے کہ اس اسکول میں پڑھانے یا پڑھنے والے سب مرد ہوں یا سب عورتیں یا سب لڑکیاں ہوں، تو یہ تازہ قانون رکاوٹ بنے گا، انتظامیہ کمیٹی میں اگر نئے قانون کے لحاظ سے متعین کٹیگری کے مطابق نمائندے ممبر نہیں بنائے گئے تو اسکول کو منظوری نہیں ملے گی۔

آئین ہند کی دفعہ ۳۰ ر میں ''پسند کے اداروں'' کے بنانے کا جو حق مانا گیا ہے، وہ اقلیتوں کو اس لیے دیا گیا ہے، تاکہ وہ اپنی پسند کے اداروں میں اپنی اقلیتی خصوصیات کو باقی رکھیں، ترقی دیں اور اگلی نسل کو واقف کراتے رہیں، اگر کوئی لسانی اقلیت ہے تو اس کا حق ہے کہ وہ اپنے ادارے بنائے اور اپنی زبان اور اپنے کلچر میں بچوں کو ماہر بنائے اور اگر مذہبی اقلیت ہے تو اسے حق ہے کہ وہ اپنی تعلیم گاہ میں اپنے پسندیدہ مذہب، تہذیب اور روایات کو بچوں میں منتقل کریں، یہ اقلیتی اسکولوں کا حق بھی ہے، اور ذمہ داری بھی......مگر آئین ہند کا یہ مانا ہوا حق RTE نئے قانون کی رو سے پیچھے ہو جائے گا اور افسران نئے قانون کے سہارے اقلیتی اداروں کی انتظامیہ اور اساتذہ کو تنگ کریں گے، جس کی شروعات بہار، یوپی، مدھیہ پردیش میں ہو چکی ہے۔

اب اوپر لکھے نمبر ۴ ر اور نمبر ۵ ر کو پھر دیکھ لیجئے، اگر کوئی بہت معیاری اسکول ہے، جہاں ٹیسٹ کے ذریعہ اونچی اور اچھی صلاحیت کے طلبہ کا داخلہ لیا جاتا ہے، تو وہاں بھی پچیس فیصد ''پڑوسی طلبہ'' داخل ہوں گے، ان پچیس فیصد طلبہ کا داخلہ لازماً ہوگا، جس کے لیے قانوناً کوئی ٹیسٹ نہیں ہوسکتا، یہ پچیس فیصد بے صلاحیت ''پڑوسی'' اچھے اور معیاری اسکول کی تعلیم کے معیار کو کتنا گرا دیں گے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، خود حکومت کے اسکولوں نوادے ودیالیہ، سنٹرل اسکول، آرمی اسکول، نیوی اسکول اور مختلف صوبوں میں حکومت کے کھولے ہوئے بہت معیاری اسکول کا تعلیمی ڈسپلن ان پچیس فیصد مہمانوں کے آنے کے بعد کیسے باقی رہے گا؟۔

اور جب امتحان دئے بغیر پاس کرنا ہے اور بارہویں کلاس تک ترقی ملتی ہی رہے گی تو پڑھنے، یاد کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ کس طرح بیدار ہوگا؟ مقابلہ کا مزاج کیسے بنے گا؟ جب استاذ یہ بھی پوچھ نہیں سکتا کہ ''حضور! کل کلاس میں آپ کیوں نہیں آئے تھے، آپ نے سبق یاد نہیں کیا، وجہ کیا ہے؟ یا یہ کہ پچھلے ایک ماہ سے آپ نے اسکول آنے کی زحمت گوارہ نہیں کی، کوئی خاص مجبوری تھی؟ تو پھر تعلیم کیا ہوگی اور شوقین بچوں کا شوق بھی کس طرح جا گتا رہے گا۔

امتحان میں فیل کرنے کا کوئی حق کسی ٹیچر یا اکزامنر کو قانوناً نہیں ہے، ایسی صورتحال میں بارہویں تک پہنچنے والے طلبہ کی کیسی لیاقت ہوگی، سمجھا جا سکتا ہے۔

اس لیے میری رائے یہ ہے کہ قانون مدرسہ مخالف، اقلیتی اسکول مخالف اور معیاری تعلیم مخالف ہے، جو علمی امتیاز اور مقام ہندوستان نے عالمی سطح پر بنایا ہے، یہ قانون اس کے خاتمہ اور ایلمنٹری ایجوکیشن کے دردناک زوال کا ذریعہ ہوگا، اس لیے ہر مسلمان اور ہر ہندوستانی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کے متعلق اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرے اور مرکزی حکومت سے قانون میں مناسب ترمیم کا مطالبہ کرے۔ ❁

کارنامے

مسلمانوں کی تاریخ نگاری

مولانا قدیر اختر ندوی، کراچی پاکستان

تاریخ دنیا کے اہم ترین علوم میں سے ہے، یہ حالات وواقعات کے منتشر اجزاء کا وہ مجموعہ ہے جس کی ترتیب طبعی، وقدرتی ردعمل کے طور پر ہوا کرتی ہے، تہذیب وثقافت کی تعمیر میں اس کا کردار بہت اہم ہوا کرتا ہے، اس لیے دنیا کی ہر متمدن قوم اپنی ایک مستقل تاریخ رکھتی ہے، یہ تاریخ اس کی زندہ روایات اور شاندار ماضی کا عکس بردار ہوا کرتی ہے، اور باحوصلہ انسانوں کو دعوت دیتی ہے، اس کا سب سے بڑا مؤلف تو خود زمانہ ہوتا ہے، مگر اس کی تاریخ ''بے حرف وصوت'' ہوتی ہے، کبھی قومیں اپنی تاریخ آپ مرتب کیا کرتی ہیں، اپنی سعی وپیہم کی داستانیں اور اپنے سوز وتپش کی کہانیاں خود کہتی ہیں، اس لیے کہا جاتا ہے کہ تاریخ کی عظمت کا انحصار خود قوموں کے عمل اور محور عمل کی وسعت وعظمت پر ہے۔

تاریخ کا موضوع خود انسان ہے، اور ایک انسان یا ایک قوم کے کارنامے بسا اوقات صدیوں پر محیط ہوا کرتے ہیں، اس لیے اس ایک انسان یا ایک قوم کی تاریخ دراصل پوری کائنات کی تاریخ ہوجاتی ہے۔

آج سے چند صدی پہلے مسلمانوں کی حیثیت اس عالم کی روح رواں اور نبض دوراں کی تھی، ان کی اجتماعی وعمرانی زندگی کے ارتقائی عہد کی شام وسحر صدیوں اور قرنوں تک پھیلی ہوئی ہے، ان کے ذوق وشوق نے علم وفن کی بے شمار محفلیں آراستہ کی ہیں اور تہذیب عالم کو نئے نئے علوم وفنون سے روشناس کرایا ہے، جہاں سے ان کی تاریخ شروع ہوتی ہے، وہ خطہ ''خامہ وقرطاس'' کی دنیا سے نا آشنا تھا، اس لیے پہلی صدی میں باقاعدہ تاریخ نگاری کا ثبوت نہیں ملتا، مگر چند شواہد ایسے ضرور ملتے ہیں کہ جن کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ابتدا ہی میں دنیا کی تاریخ از سرنو مرتب کرنے کے تہیا کر چکے تھے، حضارۃ ومدنیت کی نعمتوں سے محرومی کے باوجود اپنی نشاۃ وبیداری کی ابتدا ہی میں انہوں نے اپنی تاریخ کا ایسا وقیع سرمایہ پیش کیا ہے، جس کی مثال اقوام عالم میں کہیں اور نہیں ملتی، ابتداً ان کی تاریخ نگاری سیر ووقائع تک محدود رہی چونکہ ان کے نزدیک شخصی کردار کے حقیقی خدوخال کی وضاحت جنگوں میں ہوا کرتی ہے، اس لیے ان کی توجہ صرف مغازی تک رہی، یوں اہل علم حضرات سے یہ بات مخفی نہیں کہ تدوین حدیث درحقیقت سیرت نگاری ہی کی کوشش تھی۔

کشف الظنون کے مصنف کا کہنا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اواخر تک مغازی وسیرت کی روایات جمع کرنے کی علیحدہ علیحدہ کوششیں شروع ہوچکی تھیں، اور مختلف مرکزی مقامات میں عروہ بن زبیر، وہب بن منبہ، عاصم بن عمر، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ بن زبیر کی نگرانی میں کام بڑی سرگرمی سے ہورہا تھا۔

مگر تاریخ وسوانح کے شعبہ میں ایسی کتاب جسے ہم باقاعدہ تصنیف کہہ سکیں، ہمیں دوسری صدی ہجری کے وسط میں ملتی ہے، جب کہ عرب وعجم کا تہذیبی اختلاط وامتزاج ہوا، جیسا کہ ابتداً عرض کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ نگاری پہلے سیرت ومغازی ہی تک محدود رہی، ابن اسحاق نے سب سے پہلے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

ابن ھشام:

ابن اسحاق کی وفات خلیفہ منصور کے عہد میں ہوئی، اسی کتاب

کوابن ہشام نے اضافہ و تنقیح کے ساتھ دوبارہ مرتب کیا اور سیرت کے مشکل الفاظ کی تشریح بھی کی، جو کتاب سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے وہ دراصل ابن اسحاق ہی کی کتاب کا نقش ثانی ہے۔

واقدی:

ابن اسحاق کے بعد مشہور مؤرخ کی حیثیت سے واقدی کا نام آتا ہے، واقدی محدثین کے نزدیک جو درجہ بھی رکھتے ہوں، مگر ابن سعد کے استاد اور مغازی کی روایات کے امام مانے جاتے ہیں ''کتاب المغازی'' ان کی بہترین تصنیف ہے، جس میں قرن اولی کی تمام جنگوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

بلاذری:

تاریخ نگاری دراصل بلاذری سے شروع ہوتی ہے، جس نے ۸۹۲ء میں فتوح البلدان کے نام سے اقوام وممالک کے حالات تفصیل سے پہلی بار پیش کئے، فتوح البلدان اگر چہ تاریخ کی پہلی کتاب ہے مگر اعلی درجہ کے مؤرخانہ شعور کا مظہر ہے۔

دینوری:

اسی عہد میں ایک طویل تاریخ دینوری نے اخبار الطّوال کے نام سے لکھی، مگر دونوں کے معیار میں بہت فرق ہے، فتوح البلدان میں واقعات وتفصیلات کی ترتیب مؤرخانہ ہے اور اخبار الطّوال میں داستان سرائی سے کام لیا گیا ہے۔

یعقوبی:

بلاذری کے بعد مؤرخین عالم میں خصوصی اہمیت ''یعقوبی'' کو حاصل ہے، یعقوبی نے تشیع کے باوجود ایسی تاریخ لکھی ہے کہ جس میں دیانت اور تاریخ نگاری دونوں کے تقاضے بڑی خوبی سے پورے ہوئے ہیں، یعقوبی کی تاریخ مسلمانوں کی تاریخ میں ایک نشان ومعیار کی حیثیت رکھتی ہے، بلاذری کی فتوح البلدان میں مسلمانوں کی تاریخ نگاری کا دائرہ پہلی بار وسعتوں اور بلندیوں کو چھوتا ہوا نظر آیا، مگر تفرد وامتیاز کی گنجائش اب بھی باقی تھی، کیونکہ مؤرخانہ عظمت واقعات کے بیان سے نہیں بلکہ انداز بیان سے جھلکتی ہے، فکر ونظر کی وسعتوں سے انداز بیان، نفس واقعہ کی یکسانی کے باوجود یکسر بدل جاتا ہے، ایک عظیم ترین مؤرخ کو صرف حالات وواقعات ہی کے علم کی ضرورت نہیں بلکہ واقعات کے اسباب ومحرکات وسیع ترین نتائج اور ان جزئیات کے علم کی ضرورت ہے جو قوموں کے مزاج اور کلچر کے ترکیبی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں، تاکہ قوموں کے عروج وزوال کے تمام گوشے روشن نمایاں ہوجائیں، اس مؤرخانہ عظمت کے لیے ذہن کی وسعت اور عمیق ترین مطالعہ کے ساتھ ساتھ ذاتی تجربات وشواہد کی بھی ضرورت ہے، ایک مؤرخ کے ذاتی سرمایہ کو بھی کافی اہمیت حاصل ہے، اس کی ذاتی معلومات کا ذخیرہ اس کی تصنیف کے معیار کو بلند سے بلند تر اور واقعات کے خلاء کو پر کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

طبری:

تیسری صدی ہجری میں علامہ ابن جریر طبری نے تاریخ کی ایک ایسی کتاب لکھی جو مؤرخانہ ذہن کے ارتقاء اور تاریخی وتمدنی حقائق سے مکمل شعور وآگہی کی بہترین مثال ہے۔

علامہ طبری نے طبرستان کے کوہستانی علاقے میں ہوش کی آنکھیں کھولیں اور تحصیل علم کے لیے براہ راست بغداد کا سفر کیا، فراغ کے بعد مصر وشام اور دیگر ممالک کی سیاحت کی، اپنی علمی بصیرت اور ہمہ گیر علمی ذوق کی بنا پر متوکل کے وزیر یحییٰ بن عبداللہ کے اتالیق رہے، زندگی کی ان ساری بلندیوں اور رفعتوں تک محض ۲۳ر برس کی عمر میں پہنچے، مگر طبیعت کی افتاد ان پابندیوں کو کب گوارا کرسکتی تھی، کچھ دنوں کے بعد نامعلوم اسباب کی بنا پر اس مشغلہ کو ترک کر کے تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر لکھنی شروع کی، ان کی تفسیر نگاری بھی دوسروں سے قطعاً مختلف تھی، تحقیق کا اندازہ اور روح معانی تک رسائی کی کوششیں نئے انداز سے کی گئی تھیں، تفسیر کے بعد انہوں نے ایک وسیع، طویل اور قیمتی سلسلہ تصنیف کا آغاز کیا اور اس طویل مدت کے بعد تاریخ الرسل والملوک کے نام سے ایک ایسی کتاب

پیش کی جس نے ہمارے تاریخی سرمایہ کولائق صدافتخار بنادیا۔

طبری کی تاریخ میں واقعات وسنین کے اندراج کے سلسلہ میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہےاور ایسی قیمتی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں کہ تاریخ کے دوسرے صفحات خالی نظر آتے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہر اہم اور غیر معمولی واقعہ کسی نہ کسی عینی شاہد کی وساطت سے بیان کیا گیا ہے، اسی لئے طبری کی تاریخی روایتیں زیادہ قابل استناد سمجھی جاتی ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ محدثانہ طرز تھا، مگر واقعات کی صحت کا اس سے زیادہ اہتمام ایک مورخ کیا کرسکتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعات کی ترتیب میں تاریخی تسلسل باقی نہیں رہا، اسی لیے یورپ کے مؤرخین اس کے بلندترین معیار کا اعتراف کرتے ہوئے اس محدثانہ طرز کوتاریخ کا سب سے بڑانقص قرار دیتے ہیں۔

اہل یورپ تاریخ طبری کوتفصیلات وجزئیات کا قیمتی ذخیرہ سمجھتے ہوئےمسعودی کی تاریخ کوزیادہ اہم سمجھتے ہیں، مسعودی نے اپنی تاریخ میں جو واقعات بیان کئے ہیں وہ اس کے ذاتی مشاہدات کی حیثیت رکھتے ہیں، مسعودی نے ایشیا کے بیشتر علاقوں کی سیاحت کی تھی اور آرمینیا، ہندوستان وچین کا بھی سفر کیا تھا، سیاحت کے بعد اپنی بقیہ زندگی شام میں بسر کی، اور وہیں مروج الذہب کی تصنیف شروع کی، مسعودی کو اپنے پیش رومورخین سے یہ شکایت تھی کہ ان کی معلومات کا ساراذخیرہ کتابوں کے مطالعہ کا رہین منت ہے، اس لیے وہ اس مورخ کے ہمسر کبھی نہیں ہوسکتے، جنہوں نے اپنی ساری عمر تاریخ اور آثار وعلائم کی تلاش وجستجو میں صرف کی، کائنات کی تہوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور معارف کے گنجینۂ مخفی تک رسائی حاصل کی۔(مروج الذہب صفحہ۹)

دراصل یہی احساس محرک تھا مسعودی کی اس تصنیف کا جو عربی ادب کے ماتھے کا ستارہ اورفن تاریخ کا شاہکار ہے، ابن خلدون جس نے دنیا کو پہلی بار تاریخ نگاری کے اصول سے آشنا کیا، مسعودی کوامام المورخین کہتا ہے، مسعودی نے پہلی بار بتایا کہ مؤرخ کا نقاد ہونا ضروری ہے، طبری میں واقعات پرتنقید وتبصرے نہیں ملتے، مگر مسعودی ایک قدیم بھی ذاتی فیصلے کے بغیر نہیں اٹھاتے، مسعودی کے انداز بیان میں خوداعتمادی کی جھلک اور اپنی عظمت کا شعور نمایاں ہے، واقعات پر جماعتی مسلک واعتقاد سے بلند ہوکر تبصرہ کرتے ہیں، مروج الذہب پہلی تاریخ ہے جس میں ادبی رعنائیاں، تمدنی خاکے، سماجی قدریں اور تاریخی حقائق ایک دوسرے سے ہم آہنگ نظرآتے ہیں، یہ تاریخ اقوام بھی ہے، تاریخ ملل بھی، اس لیے کہ بعض اہم اسلامی معتقدات کے متعلق مسعودی نے بڑی اچھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

مروج الذہب زندگی کی خارجی سرگرمیوں کی تاریخ نہیں، بلکہ شعور کی داخلی کیفیات اور ذہنی ارتقاء کی تاریخ ہے، مسعودی کا کینویس بہت وسیع ہے، وہ مذہب، تمدن، وقائع وحروب، معاشرت، نفسیات اور ادب وفلسفہ کوایک ساتھ لے کر چلتے ہیں، عوامی زندگی کا بھرپور خاکہ پہلی بار مسعودی نے پیش کیا، خلفاء کے کردار کی بھرپور مصوری کی، مروج الذہب کا سب سے دلچسپ مبحث وہ ہے جس میں احمد بن طولون گورنر مصر اور ایک مسیحی عالم کے درمیان مناظرہ اور پھر قبول اسلام کی تاریخ پیش کی گئی ہے۔

مسعودی کے بعد ابن القفطی، خطیب بغدادی اور ابن جوزی نے بھی تاریخیں لکھیں، لیکن وہ مروج الذہب کے معیار کونہیں پہنچتیں۔

ابن اثیر:

مسعودی کے بعد اگر کسی کی تاریخ کو ہمہ گیر شہرومقبولیت حاصل ہوئی تو وہ ابن اثیر کی ''الکامل فی التاریخ'' ہے جس کی جامعیت ''مروج الذہب'' سے ہمسری کا دم بھرتی ہے، علامہ شبلی کوعمر بھرافسوس رہا کہ انہیں الکامل نہ مل سکی، اس زمانہ میں اس کے نسخے کمیاب تھے۔

مشہورترین مؤرخ ابن خلکان جو ابن اثیر کے معاصر ہیں لیکن ان کے بڑے مداح اور ان کی مؤرخانہ صلاحیتوں کے زبردست معترف ہیں اورانہیں مؤرخ کے علاوہ اعلیٰ درجہ کا انسان بھی تصور کرتے ہیں۔

ابن اثیر بلاشبہ طبری سے بے نیاز نہیں ہوسکے اورالکامل کی ترتیب میں طبری ہی کوانہوں نے چراغ راہ بنایا، پھر بھی بعض اہم اور غیر معمولی

مباحث کی بناپر اسے ہم طبری پر بیش قیمت اضافہ کہہ سکتے ہیں، ابن اثیر نے ''تاریخ الکامل'' کی پہلی جلد ایام جاہلیت کی جنگوں کے لئے مخصوص کردی ہے اور ایام العرب کے عنوان سے ان جنگوں کا حال بڑی شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔

ابن خلدون:

اس سلسلہ میں اہم ترین شخصیت ابن خلدون کی ہے، جس نے تاریخ عالم پر وسیع اور فلسفیانہ محاکمہ کرتے ہوئے اس فن کے باقاعدہ اصول وضوابط مقرر کئے اور مقدمہ کی پہلی جلد میں ''کتاب العبر'' کے عنوان سے ایک مؤرخ کے فرائض نیز قوموں کے عروج وزوال پر ایک پرمغز بحث کی، ابن خلدون نے ایک مؤرخ کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تاریخ کا سب سے بڑا مقصد ہمیں انسانی سماج اور تہذیب ومعاشرت کے متعلق معلومات بہم پہنچانا ہے، ابن خلدون نے تمام نوع انسانی کو صرف دو طبقے میں تقسیم کیا ہے:

(۱) شہری　　(۲) بدوی

ریاستوں کی تشکیل اور سماج کی تنظیم پر ایک مفصل گفتگو کی ہے، تاریخ کی انقلاب آفریں کتاب مقدمہ ابن خلدون ہے، اس کی بدولت اس فن کو فروغ ہی نہیں حاصل ہوا، بلکہ اس کو وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ بے پناہ مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔

وفیات ابن خلکان:

ابن خلدون کے بعد سب سے اہم شخصیت قاضی شمس الدین ابن خلکان کی ہے، جن کی ''وفیات'' عوام کی نہیں بلکہ اشخاص کی تاریخ ہے، اس نادر علمی ذخیرہ میں کئی ہزار اشخاص کی سوانح عمریاں ابجدی ترتیب کے ساتھ پہلی بار مرتب کی گئی ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اشخاص کسی خاص طبقہ یا جماعت سے متعلق نہیں، خود ابن خلکان نے لکھا ہے: ''میں نے ان اشخاص کی سوانح عمریاں مرتب کی ہیں جو علمی، ادبی، سیاسی ومذہبی کسی اعتبار سے عوام وخواص میں شہرت عظیم کے مالک ہیں''۔

وفیات میں خلفاء اور صحابہ کرام کو چھوڑ کر جن شخصیتوں کی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں، ان کی تعداد آٹھ سو پینسٹھ تک پہنچتی ہے، تقریباً ایک ہزار اشخاص کی تاریخ پیدائش ودیگر مفصل حالات کی ترتیب وتدوین تاریخ نگاری کے اعلیٰ ترین مذاق کا بین ثبوت ہے۔

وفیات العیون:

یادش بخیر علامہ جلال الدین سیوطی کے ہمہ جہت قلم نے بھی اس طرز کی ایک جامع کتاب ''تاریخ وفیات العیون'' کے نام سے لکھی، یوں تو علم وفن کے ہر گوشہ میں ان کی کوئی نہ کوئی اہم تصنیف ضرور ہے، مگر بزم تاریخ میں ان کی شہرت تاریخ الخلفاء کے مصنف کی حیثیت سے ہے، اگر چہ تاریخ الخلفاء اپنے پیش رووں پر کوئی اضافہ نہیں تاہم اس کی ایک مستقل حیثیت ہے۔

مقریزی:

سیوطی کے بعد قابل ذکر مؤرخ مقریزی ہیں، جن کی کتاب ''السلوک لمعرفۃ الدول والملوک'' ایوبی حکمراں اور مملوک خاندان کی مفصل، مستند اور جامع تاریخ ہے، مقریزی کا بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے عہد سے لے کر قرون ماضیہ تک کے تاریخ نگاروں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، چونکہ اس مضمون میں تمام کتابوں پر تبصرہ ممکن نہیں، اس لیے میں نے ان ہی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اپنے اپنے عہد کی بہترین تاریخی تخلیقات کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ کتابیں تاریخ نہیں بلکہ سرچشمہ تاریخ ہیں اور دوسری ہزاروں کتابوں کا مرجع وماخذ ہیں۔

تاریخ نگاری جو متمدن وتعلیم یافتہ اقوام کے علمی شعور اور فکری لطافتوں کا مظہر ہوا کرتی ہے، مسلمانوں کے ہاتھوں پروان چڑھی اور بلندیوں تک پہنچی، ریگستانوں کے تپتے ہوئے ذرات، کوہستانوں کی برفانی چوٹیاں، سمندروں کی خوفناک موجیں، صحراؤں کی ہولناک فضائیں، افریقہ وحبش کے غیر متمدن انسان اور مصر ویونان کی ثقافتوں کے علمبردار ہمارے احسان مند ہیں کہ ہم نے ان کو تاریخ کے صفحات میں جگہ دی اور ان کی روایات کو غیر فانی بنادیا۔

جائزہ

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اہم تصانیف کا مختصر جائزہ

مولانا محمد خالد ضیا صدیقی ندوی استاذ جامعہ فیضان القرآن احمد آباد، گجرات

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ بیسویں صدی عیسوی کی ان عظیم شخصیات میں سے ہیں جو ہمیشہ قوموں اور ملکوں کی عزت کا تاج ہوا کرتی ہیں، ایسی قد آور اور عظیم المرتبت شخصیت کی زندگی کے کسی پہلو پر قلم اٹھانا باعث سعادت بھی ہے، اور مجھ جیسے تازہ واردوں کے لیے ایک طرح کی جسارت بھی، لیکن عقیدت ومحبت کے جذبات کے اظہار کے لئے میرے خیال میں سن وسال اور عمر کی کسی منزل کی قید نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے کہنہ مشق قلمکار ہونا شرط ہے، بہر حال آج میں نے سید صاحب علیہ الرحمہ کی داستان حیات میں سے صرف انہی گوشوں کو اپنے دامن قلم سے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق تصنیف وتالیف سے ہے، گو یہ ایک وسیع الاطراف موضوع ہے، جس پر مختصر سے صفحات میں روشنی ڈالنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے، لیکن پھر بھی میں نے سعادت سمجھ کر اس موضوع پر قلم اٹھانے کی حقیر سی کوشش کی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی ان بلند پایہ مصنّفین، نامور ادباء اور باکمال وصاحب طرز انشاء پردازوں میں ہیں، جنہوں نے اپنے لئے کوئی خاص موضوع متعین نہیں کیا بلکہ جو موضوع بھی ان کے دماغ کے نگارخانہ میں آیا وہ ان کے محققانہ اور ادیبانہ وشریفانہ قلم کا جولانگاہ بن گیا، اسی لئے میں فی الوقت ان کے زرنگار قلم سے نکلے ہوئے گیارہ ہزار صفحات میں سے چند صفحات پر اکتفا کروں گا، ان میں بھی زیادہ وہ صفحات ہوں گے جو ان کے ادیبانہ قلم کے رہین منت ہوں گے، نہ کہ ان کے محققانہ اور عالمانہ قلم کے منت کش، گو ان کے قصر عظمت کے ستون علم وتحقیق کی بنیادوں پر بلند ہیں لیکن:

میں نے اپنے آشیانے کے لیے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

خطبات مدراس:

یہ کتاب کیا ہے؟ سید صاحب علیہ الرحمہ کے مطالعہ کا نچوڑ، یہ کتاب جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو جامعیت اور اختصار کے ساتھ پیش کرتی ہے، وہیں سید صاحب کی گوناگوئی صفات اور متنوع کمالات کی واضح تصویر بھی پیش کرتی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اس کتاب کے تعارف میں یوں رقم طراز ہیں:

''میرے محدود علم میں کسی اسلامی زبان میں سیرت نبوی پر اتنی طاقتور، دلآویز، دل پذیر اور ایمان آفریں کتاب دیکھنے میں نہیں آئی، اس میں سیرت کے کتب خانہ کا عطر آ گیا ہے، اور تاریخی حقائق، تقابلی مطالعہ، نفسیاتی تجزیہ، علم الاخلاق، علم الاجتماع اور پھر اپنی ادبیت اور خطیبانہ انشاء پردازی کی آمیزش سے اس کی افادیت اور اس کی علمی قدر وقیمت میں ایسا اضافہ ہوا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں اور سلیم الطبع اور جویائے حق غیر مسلموں کو دینے کے لیے اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں''۔

اس کتاب کی اصل خوبی پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں: ''...... اس کی اصل خوبی اس کا انشاء پردازانہ انداز بیان ہے جس کا مطالعہ کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرقع آرائی کرنے میں حضرت سید

صاحب کا قلم مانی کا موئے قلم بن گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی نقش آرائی میں بہزاد کی مصوری کا رنگ پیدا ہو گیا ہے، اس کو پڑھتے وقت کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے حضرت سید صاحب کی شیفتگی کے گنبد مینائی پر ان کے سوز پنہاں کا چراغاں ہو رہا ہے، دنیا کے ادب وانشاء کی شاہکار کی کوئی فہرست تیار ہوگی تو اس میں یہ کتاب ضرور شامل کی جائے گی''۔

جناب سید صباح الدین صاحب کی یہ تحریر محض عقیدت ومحبت پر مبنی نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کتاب میں سید صاحب علیہ الرحمہ کی خطابت کی ایسی ادیبانہ، عالمانہ بلکہ دلربایانہ شان ہے کہ پڑھنے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے:

بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

سیرت عائشہ:

یہ کتاب سید صاحب علیہ الرحمہ کی ایک شاہکار تصنیف ہے جس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، سید صاحب کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، حق ادا کر دیتے ہیں، سید صاحب نے اپنے اشہب قلم سے حضرت عائشہ صدیقہ کی سیرت کے ممکنہ گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے انتہائی جامعیت کے ساتھ ایسی تصویر کھینچی ہے کہ قاری جب کتاب کھولتا ہے تو جذب ومستی میں کھو جاتا ہے۔

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟ کیا اسباب بنے؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں خود مصنف مرحوم کا بیان زیادہ لائق بیان ہے، اور پیش کرنے کے قابل، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''اردو زبان کی نشأۃ جدیدہ نے ہماری زبان میں جن تصنیفات کا ذخیرہ فراہم کیا ہے، ان سے رجال اسلام کے کارنامے ایک حد تک منظر عام پر آتے ہیں، لیکن مخدرات اسلام کے کارہائے نمایاں اب تک پردۂ خفا میں ہیں، سیرت عائشہ پہلی کوشش ہے جس کے ذریعہ سے اس صنف کے کارناموں کو بے نقاب کیا گیا ہے''۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

ایک مسلمان عورت کے لیے سیرت عائشہ میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات، انقلابات اور مصائب، شادی، رخصتی، سسرال، شوہر، سوکن، لاولدی، بیوگی، غربت، خانہ داری، رشک وحسد، غرض اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لیے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں، پھر علمی، عملی اور اخلاقی ہر قسم کے گوہر گراں مایہ سے یہ پاک زندگی مالا مال ہے، اس لئے سیرت عائشہ اس کے لئے آئینہ خانہ ہے، جس میں صاف طور سے یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی تصویر کیا ہے۔

اس کتاب کی اثر انگیزی اور سید صاحب کے قلم خوش رقم کی سحر طرازی کے متعلق پروفیسر ریاض الرحمٰن خان شیروانی کی یہ تحریر بھی پڑھنے کے لائق ہے:

''جہاں تک راقم الحروف کا تعلق ہے اس کا دل جیسا ''سیرت عائشہ'' نے اپنی طرف کھینچا، سید صاحب کی کوئی تصنیف کھینچ سکی، اس کا سبب صرف یہ نہیں ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب اور محترم زوجہ اور حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی تھیں، بلکہ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ یہ ایسا موضوع تھا جس کی طرف سید صاحب سے پہلے شاید ہی کسی مصنف نے کما حقہ توجہ دی ہو''۔

جناب پروفیسر خورشید نعمان ردولوی اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں: ''اس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے واقعات زندگی، ان کے اخلاق وعادات، کردار کی پاکیزگی اور ان کی علمی وعملی حیثیت پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے، یہ احادیث کی روشنی میں ترتیب دی ہوئی ایک علمی وعملی تاریخ ہے، جو مسلمان عورت کی حقیقی تصویر پیش کرتی ہے''۔

اس کتاب کی علمی رعنائیوں اور ادبی دلآویزیوں کے تذکرے کے ذیل میں جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کی یہ تحریر بھی چشم کشا اور نظر افروز ثابت ہوگی۔

۱۹۲۰ء میں ان کی (سید صاحب) سیرت عائشہ شائع ہوئی، جس

میں نسوانیت کی عفت، محبت، طہارت، اطاعت، خشیت الٰہی اور دوسرے فضل وکمال کا حجلۂ عروسی سجایا گیا ہے، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ نسوانیت کو کیسے معراج حاصل ہوسکتی ہے، اور دنیا کیسے اس کے سامنے جھک سکتی ہے، یہ کتاب ہر مسلمان عورت کی سیرت کے روئے تاباں کے لیے غازہ کا کام دیتی رہے گی...... اس کتاب کے انداز بیان کی خوبی یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی زندگی کے جو بھی واقعات قلم بند کئے گئے ہیں وہ آنکھوں دیکھا حال جیسا معلوم ہوتا ہے، تمام معلومات میں ایسا تسلسل ہے کہ سارے واقعات موتیوں کی لڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔

تاریخ ارض القرآن:

سید صاحب کی یہ وہ مشہور ومعروف تصنیف لطیف ہے، جو بڑے سے بڑے نقاد، فلسفی، محقق اور بالغ نظر دانشوروں سے خراج عقیدت وصول کرچکی ہے، یہ سید صاحب کی گو ابتدائی تصنیف ہے لیکن علمی حلقوں میں اسے بڑا حسن قبول حاصل ہوا، یہ کتاب کتب تفسیر وجغرافیہ اور تاریخ اسلامی کے علاوہ جدید یورپین تصنیفات کے حوالے سے بھی مزین ہے، یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟ مقصد تحریر کیا تھا؟ خود سید صاحب علیہ الرحمہ کی ایک تحریر سے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے، آپ لکھتے ہیں:

''اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ قدیم وجدید معلومات کی تطبیق کے ساتھ ارض القرآن (عرب) کے حالات (مذکورہ) کی اس طرح تطبیق کی جائے کہ قرآن مجید کی صداقت اور معترضین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہوجائے''۔

اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:

''یہ قرآن مجید کی تاریخی جغرافیائی تفسیر ہے، قرآن مجید میں جن مقامات اور اقوام وقبائل کا ذکر آیا ہے، ارض القرآن میں اس کی تاریخی، جغرافیائی اور اثری تحقیق کی گئی ہے جس سے کلام مجید کے بیانات اور تاریخی وجغرافیائی تحقیقات میں مطابقت پیدا ہوجاتی ہے، اور عرب کی قدیم تاریخ کی تحقیق میں مستشرقین نے جو غلطیاں کی ہیں، ان کو بھی واضح کیا گیا ہے، یہ کتاب نہایت محققانہ اور اپنے موضوع پر بالکل منفرد ہے، اس سے پہلے عربی میں بھی اس موضوع پر کوئی کتاب نہ تھی، اس لیے اس کتاب کو اہل علم میں بڑا حسن قبول حاصل ہوا''۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی کا یہ نوٹ بھی بڑا ابلغ اور وقیع ہے کہ:

''یہ کتاب ابھی تک اردو میں آخری چیز اس موضوع پر سب سے بڑا ماخذ ہے، جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب اپنے منفرد اسلوب میں یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، تاریخ ارض القرآن گو ان کی (سید صاحب) ابتدائی تصنیف ہے، لیکن یہ کہنے میں تأمل نہیں کہ اس کے عرض ہنر میں ان کا اب تک کوئی حریف نہ ہوسکا''۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلا حصہ عرب کے جغرافیے اور اقوام عرب کے سیاسی، تاریخی اور قومی حالات سے بہ تطبیق قرآنی بحث کرتا ہے جب کہ دوسرے حصے میں اقوام عرب کے السنہ، ادیان، تجارت اور طرق تمدن وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔

یادرفتگاں:

یہ کتاب سید صاحب کی ان ماتمی تحریروں کا مجموعہ ہے جنہیں آپ نے اپنے عزیز دوستوں، محبوب معاصروں اور مخدوم استاذوں کی موت پر تحریر فرمایا تھا، ان وفیاتی مضامین اور ماتمی تحریروں میں سید صاحب کی دلسوزی، عقیدت مندی اور وفا کیشی جھلملاتے ہوئے جواہر ریزے کی طرح نظر آتی ہے، ان ماتمی تحریروں میں بھی آپ کے قلم کی رعنائی، شگفتگی اور رنگینی کی پوری بہار آفریں قوس وقزح نظر آتی ہے، مولانا محمد علی جوہر کے انتقال پر آپ کے قلم سے فلک شگاف نالے نکلے، وہ بجائے خود ادب وانشاء پرداری کے لازوال نمونے ہیں، پڑھئے اور سر دھنئے:

افسوس وہ پردرد آواز جو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۰ء تک ہندوستان اور دنیائے اسلام کے ہر قیامت آفریں سانحہ میں صدائے صور بن کر بلند ہوتی رہی، ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی، وہ بے قرار دل جو اسلام اور

مسلمانوں کی ہر مصیبت کے وقت بیتاب ہو جاتا تھا اوراوروں کو بیتاب کرتا تھا، دریغا کہ قیامت تک کے لیے ساکن ہوگیا، وہ اشک آلود آنکھیں جو دین وملت کے ہر ماتم میں آنسوؤں کا دریا بن جاتی تھیں، حسرتاً کہ ان کی روانی ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی، وہ مترنم لب جو ہر بزم میں خوشنوا بلبل بن کر چہکتے تھے، ان کے ترانے اب ہمارے کان نہ سنیں گے، وہ آتشیں زبان جو ہر رزم میں تیغ براں بن کر چمکتی تھی، اس کی تابش اب کسی معرکہ میں ہماری آنکھوں کو نظر نہ آئے گی، اور افسوس کہ شکست خوردہ فوج کا وہ آخری سپاہی جو اعداء کے نرغہ میں تنہا لڑ رہا تھا، آخر زخموں سے چور ہو کر ایسا گرا کہ پھر کھڑا نہ ہوگا ''الوداع! محمد علی! الوداع والسلام الی یوم القیام''۔

اس کتاب کے مقدمہ نگار نے سید صاحب اور کتاب دونوں کا جس عقیدت مندی اور خوبصورتی کے ساتھ اپنے خامہ عنبر شمامہ سے تعارف کرایا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے پیش خدمت ہے جناب سید ابو عاصم ایڈوکیٹ (کراچی) کی وہ دلآویز تحریر جیسے تخیل کی رنگینی اور جذبات کی حرارت نے دوآتشہ کر دیا ہے، فاضل مقدمہ نگار لکھتے ہیں:

''کتاب حقیقت میں تقریباً نصف صدی کی داستان غم ہے، یہ صرف ان مضامین کا مجموعہ نہیں ہے جو علامہ سید سلیمان ندوی نے جانے والوں کے غم میں سپرد قلم کیا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے دل کے ٹکڑے ہیں جو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، یہ چالیس سال کے آنسو ہیں جو قطرہ قطرہ گر کر سمندر کی شکل میں جمع ہو کر عبرت کا ایک مرقع بن گئی ہے، گو اس میں استاد کا ماتم ہے، رفیقہ حیات کا نوحہ ہے، فضل وکمال کا مرثیہ ہے، اخلاق وشرافت کا رونا ہے، دینداروں کا غم ہے، بے دینوں کا سوگ ہے، لیکن سب سے زیادہ اس میں خود ان کی زندگی کا پرتو ہے، اور اس دور کی کہانی ہے جو اب نہ دیکھنے کو ملے گی، نہ سننے کو''۔

آگے اس کتاب کی حیثیت کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ مضامین یوں تو گوناگوں حیثیتوں سے اہم ہیں، لیکن میرے نزدیک اس کی تاریخی اور ادبی حیثیت زیادہ نمایاں ہے، یہ نہ صرف سید صاحب کے سحر نگار قلم کا نمونہ ہے بلکہ ان حروف کی تہہ میں مصنف کے رقیق قلب، محبوب دل اور مفکر دماغ کے گہرے نقوش ہیں، وہ نقوش جو دل سے نکلتے ہیں، اور دل میں بیٹھ جاتے ہیں یہ اوراق وانشاء کے انمول جواہر پارے، تاریخ وسوانح کے قیمتی شہ پارے اور مصنف کے وسیع قلب اور وسیع دماغ کا نگارخانہ ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کا یہ فقرہ بھی کیا خوب ہے ''سید صاحب کا وہ معاصر خوش قسمت ہے جو ان کے سامنے وفات پائے اور ان کی ماتم گساری کی دولت اس کے حصے میں آئے''۔

خیام:

خیام سید صاحب علیہ الرحمہ کی اہم تصنیفوں میں ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے علمی حلقوں کے علاوہ ایران وافغانستان میں بھی اسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور بدست قبولیت لیا گیا، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں: ''خیام سید صاحب کی اہم کتابوں میں ہے، اس میں پہلی مرتبہ خیام کو ایک شاعر اور رند شاہد باز کے بجائے ایک فاضل، حکیم اور فلسفی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اس کی رباعیات کی فاضلانہ تحقیق کی گئی ہے، اور خیام کی زندگی سے متعلق بعض واقعات اور ان کے سنین کی تصحیح کی گئی ہے''۔

علامہ اقبالؒ نے اس کتاب کو پڑھ کر سید صاحب کو لکھا تھا کہ ''عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا، سچ ہے:

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

جناب پروفیسر رشید احمد صدیقی کا یہ دیدہ ورانہ تبصرہ بھی ہمارے علم میں اضافے کا باعث ہوگا، آپ رقمطراز ہیں: ''خیام پر سید صاحب کی تصنیف سامنے آئی تو دل باغ باغ ہوگیا کہ معرکہ کی ایک تصنیف اردو میں دیکھنے میں آئی جو کسی زبان کے بڑے سے بڑے تحقیقی کارناموں کے ساتھ رکھی جا سکتی ہے، اس کتاب کی تصنیف میں سید صاحب کے

حیرت انگیز طالب علمانہ شغف، مؤرخانہ ژرف نگاہی، ادبی پرکھ اور عالمانہ بصیرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، مآخذات کے لیے کس کس بے کنار وسنسان اور دشوار گزار جنگل اور گھاٹیوں سے گزرنا پڑا ہوگا، تب کہیں جاکر کسی رہرو کے قدم ملے ہوں گے، اور جادۂ منزل کے متعین کرنے کا امکان پیدا ہوا ہوگا، معلوم نہیں''۔

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی کی یہ تحریر بھی پڑھتے چلیں...... وہ لکھتے ہیں: ''خیام پر ان کا (سید صاحب) کام ادبی ذوق اور شاعرانہ بصیرت اور محققانہ کمال کا آئینہ دار ہے، خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تو یہ کتاب محض اس اظہار کے لیے پیش کی ہے کہ اہل مغرب کو معلوم ہوجائے کہ ان کو جس ریسرچ پر ناز ہے، مشرقی علماء اس میں ان سے کسی طرح پیچھے نہیں''۔

نقوش سلیمانی:

سید صاحب علیہ الرحمہ کی وہ چند تصانیف جن سے میں بہت متأثر ہوا اور جنھوں نے اپنی انشاء پردازی کی دلآویزی اور تحقیق کی گہرائی کی وجہ سے مجھے اپنا معشوق بنالیا، ان میں ''نقوش سلیمانی'' کو شرف اولیت حاصل ہے، اس کتاب میں بعض ادبی قطع اس قدر پرکشش ودلکش او ردلآویز ودل پذیر ہیں کہ انہیں پڑھ کر ذوق ادب وجد میں آجاتا ہے او رجو اپنی بلاغت کی سحر کاری، فصاحت کی تازگی اور سلاست وروانی کے لحاظ سے اردو ادب کے شہ پارے کہے جاسکتے ہیں، کہیں لکھنوی زبان کا بانکپن اور رسیلا پن ہے تو کہیں چھوٹے چھوٹے طبع زاد فقرے، جن سے سید صاحب کے وسیع دماغ کے نگارخانہ کا خوب پتہ چلتا ہے، اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان سے آپ کو کتنی محبت تھی اور آپ اس کے فروغ کے لیے کس قدر کوشاں تھے، سچ تو یہ ہے کہ آپ اردو زبان کے عاشق زار تھے، لیکن اردو زبان نے خود آپ کو اپنا معشوق بنالیا، قبل اس کے کہ اس کتاب کے تعارف میں پاسبان لوح وقلم کی چند تحریریں پیش کی جائیں، جی چاہتا ہے کہ اس کتاب کے دو اقتباسات پیش کرکے خود بھی ''قند مکرر'' کا لطف اٹھاؤں اور آپ کو بھی ''عروس سخن'' کا شیدائی بناؤں، لکھنؤ کی ادبی خدمات کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''دلی کے باغ میں جب خزاں آئی تو (لکھنؤ) بہار کا دور آیا، اس اجڑے باغ کے کتنے مرغ خوش لحن تھے، جنہوں نے اڑ اڑ کر اس چمن کی شاخوں پر بسیرا کیا، ملک سخن کے دو اخیر فرماں روا انیس ودبیر نے شاعری نہیں کی بلکہ اپنے نام سے زبان وادب کے سکے ڈھال ڈھال کر اہل ملک میں تقسیم کرتے رہے''۔

''اکبر کا ظریفانہ کلام'' اس عنوان کے تحت ایک موقع پر لکھتے ہیں: ''کلام میں نئی تشبیہیں پیدا کرنا شاعری کی جنت کا شجر ممنوعہ ہے، عرب میں تشبیہات بالکل مادی اور سادی ہوتی تھیں، ایران آکر عربی شاعری باغ وبہار بن گئی، فارسی شاعری جب ہندوستان آئی تو گو شیراز کا بلبل ہاتھ سے نہ چھوٹا لیکن قمری اور فاختہ کی کوکو بھی اب سنائی دینے لگی، اس نئے دور مخترعات میں سینکڑوں چیزیں نئی پیدا ہوگئی ہیں، لیکن ہماری قدیم شاعری کا ذخیرۂ تشبیہات اب تک وہی متروکات واندوختۂ سلف ہیں، میر صاحب (اکبر الہ آبادی) کا احسان ہے کہ انہوں نے بیسیوں نئی تشبیہیں کلام میں پیدا کردیں اور ان سے عجیب وغریب تمثیلی استدلات پیدا کئے''۔

یہ کتاب ۳/ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب خطبات پر، دوسرا مقالات پر اور تیسرا مقدمات پر، یہ تینوں ابواب سید صاحب کے پختہ اور اعلی تنقیدی شعور کے آئینہ دار ہیں، مولانا شاہ معین الدین صاحب اس کتاب کے متعلق رقمطراز ہیں: ''یہ اردو زبان کی پوری تاریخ، گذشتہ چوتھائی صدی میں اردو سے متعلق جو مسائل پیش آئے ان کی پوری سرگزشت ہے، یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور یونیورسیٹیوں کے اردو نصاب میں داخل کی گئی''۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کا یہ ایک سطری تبصرہ بھی کس قدر بلیغ ہے کہ ''کتاب کیا ہے؟ سید صاحب کے کمالات، ادبی وتنقیدی کی ایک مہر زدہ دستاویز''۔ (علامہ سید سلیمان ندوی شخصیت اور ادبی خدمات صفحہ ۱۳۱)

سیرتِ عثمان

دو کے عدد کی جلوہ گری
امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین کی زندگی میں

مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

خلیفہ سوم، داماد رسول حضرت عثمان بن عفان سے بھلا کون مسلمان ناواقف ہوگا، آپ خاندان قریش کے باعزت لوگوں میں سے تھے، اور اپنی ثروت اور سخاوت کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کی تھی، حضرت ابوبکر صدیق کی رہنمائی سے مشرف بہ اسلام ہوئے، قبل از اسلام بھی بت پرستی اور شراب نوشی سے دور رہے، اس صفت میں یہ اور حضرت صدیق دونوں ممتاز تھے، ان دس صحابہ کرام میں سے ایک ہیں، جن کو دنیا ہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جنت کی خوشخبری ایک سے زائد بار مل چکی ہے، اور ان کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے آخری وقت تک خوش رہے، غزوۂ تبوک کے موقع پر ان کے انفاق فی سبیل اللہ سے متاثر ہو کر فرمایا کہ اے عثمان! تم نے ہمیں غنی کر دیا، اسی دن سے غنی ان کے نام کا جزء بن گیا، اسی موقع پر جب ایک ہزار دینار دیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر ان اشرفیوں کو اپنے دست مبارک میں لے کر الٹتے پلٹتے ہوئے دو مرتبہ فرمایا: "ماضر عثمان ما عمل بعد الیوم" آج کے بعد کوئی عمل عثمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ اب ان پر کوئی مواخذہ ہوگا۔

انہیں کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ جنت میں ہر نبی کا ایک رفیق ہوگا اور میرے رفیق عثمان بن عفان ہوں گے، مسلم شریف میں ہے "ألا أستحي من رجل يستحي منه الملائكة" حضرت عثمان کے متعلق فرمایا کہ میں اس شخص سے حیا کیوں نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

زیر قلم اس مضمون میں حضرت عثمان کے حالات یا ان کے فضائل ومناقب کا تذکرہ مقصود نہیں ہے، بلکہ ان کے لقب ذوالنورین (دو نور والا) کی مناسبت سے یہ پیش کرنا ہے کہ دو کا عدد ان کی زندگی میں کس عجیب شان سے جلوہ گر ہے، ذوالنورین کی اصل وجہ تو یہی ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دو نور نظر اور لخت جگر حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں اور یہ منفرد شرف جو بجز ان کے کسی بشر کے حصہ میں نہیں آیا، بلکہ حضرت عثمان کے سوا دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں، حتی کہ جب حضرت ام کلثوم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور کوئی بیٹی باقی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان کے ساتھ کر دیتا۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی حیات طیبہ میں دو کے عدد کی اہمیت اور اس کی جلوہ گری قابل دید اور لائق گفت وشنید ہے۔

ان کا نسب پانچویں پشت میں رسول خدا سے جاملتا ہے، چنانچہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت قریب کی قرابت رکھتے ہیں، یہ دوسرے مرد ہیں جس نے نبوت کی تصدیق کی، انھوں نے راہ خدا میں دو بار ہجرت کی، پہلی بار حبشہ اور دوسری بار مدینہ منورہ، ہجرت اپنی اہلیہ کے ساتھ کی اور اسلام میں یہ پہلا جوڑا تھا جس نے راہ خدا میں ہجرت کی، اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عثمان پہلے شخص ہیں جنھوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت

لوط علیہا السلام کے بعد مع اپنے اہل بیت کے ہجرت کی، واضح رہے کہ ہجرت حبشہ کے موقع پر ان کے ساتھ حضرت رقیہ تھیں، قبل اسلام بھی نہ بت پرستی کی اور نہ شراب پی، ایک مدت تک وحی اور حضور کے نجی خطوط کی کتابت کی، غزوۂ غطفان اور غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر نیابت رسول کا شرف حاصل ہوا، غزوہ بدر اور بیعت رضوان کے موقع پر حضرت عثمان موجود نہیں تھے، لیکن انہیں حاضر تصور کیا گیا، چنانچہ غنیمت بدر میں ان کا حصہ لگایا گیا اور صلح حدیبیہ کے موقع پر جب وہ مکہ میں کفار قریش کی قید میں تھے اور ان کے قتل کی افواہ اڑ گئی تھی تو ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بیعت رضوان ہوئی، جب تمام صحابہ کرام بیعت کر چکے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سیدھے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر ان کی جانب سے بیعت فرمائی، چنانچہ سورۂ فتح میں ارشاد ہوا: "لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین إذ یبایعونك تحت الشجرۃ" اسی دن سے صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہم لکھا جانے لگا۔

حضرت عثمان ایسے وقت میں خلیفہ ہوئے جب کہ ان سے پہلے دو خلیفہ گزر چکے تھے، آپ کے عہد خلافت میں فتوحات کی دو قسمیں ہیں، اول یہ کہ بعض وہ ممالک جو عہد فاروقی میں مفتوح ہو چکے تھے، اور شہادت عمر کے بعد باغی ہو گئے تھے، حضرت عثمان کے زمانہ میں وہ ممالک دوبارہ فتح کئے گئے، دوم یہ کہ جدید ممالک میں جہاد ہوئے اور وہ مقامات اسلام کے قبضہ میں آئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ راشد ہیں جن کی فتوحات بری بھی ہیں اور بحری بھی، قبرص کا جزیرہ انہیں کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی سرکردگی میں فتح ہوا، ان کی حکومت دو براعظموں یعنی ایشیاء اور افریقہ پر تھی، افریقہ کی وہ جنگ عظیم جو اسلامی تاریخ میں حرب العبادلہ کے نام سے مشہور ہے، اس نے تاریخ اسلام میں اپنے سے پہلے دو عظیم جنگوں یرموک اور قادسیہ کی یاد تازہ کر دی۔

اسلام کے دو بڑے دشمن قیصر روم اور یزدگرد آپ ہی کے عہد خلافت میں واصل جہنم ہوئے، برسر اقتدار مدینہ میں شہید ہونے والے یہ دوسرے خلیفہ ہیں، مظلومیت کے ساتھ آپ کی شہادت سے امت میں جو فتنہ برپا ہوا اس نے دو اہم نقصان پہنچایا، ایک طرح برکات نبوت کا سلسلہ کاٹ دیا اور دوسری طرف اسلامی فتوحات کا دروازہ بند کر دیا، محاصرہ کے زمانہ میں بطور خاص حضرات حسنین حفاظت کے لیے ان کے دروازے پر متعین ہوئے، شہادت کے بعد دو دن تک ان کی نعش بے گور و کفن پڑی رہی، بوقت شہادت وہ روزہ سے تھے، اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، اپنے پیچھے انہوں نے دو بیویاں حضرت نائلہ اور حضرت رملہ بنت شعبہ رضی اللہ عنہن چھوڑیں، آپ حافظ قرآن بھی تھے، اور جامع القرآن بھی، قرآن مجید کے اول کاتب اور آخری دم کے قاری، زبان نبوت سے انہیں کامل الحیاء والایمان کے القاب عطا ہوئے، ایران و روم کی فتح کا تکملہ حضرت عثمان کے ہاتھوں ہوا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے منتخب ہونے والے اس خلیفہ نے بارہ دن کم بارہ سال مسند خلافت کو رونق دینے کے بعد ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو بڑی مظلومیت کے ساتھ باغیوں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمائی اور مقام حش (کوکب) میں دفن کئے گئے، اور اس طرح ابو داؤد شریف کی ایک روایت کے مطابق خلافت نبوت حضرت عثمان پر ختم ہوگئی، جب کہ دیگر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاجرین میں سے جو بھی ہوگا اس کی خلافت، خلاف راشدہ ہوگی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین میں سے تھے، اور ان کی خلافت بھی راشدہ مانی گئی ہے، جب کہ خلافت نبوت حضرت عثمان پر ختم ہوگئی، وہ خلافت راشدہ کی اعلیٰ قسم ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح میں وہ راشدۂ خاصہ ہے، اللہ تعالیٰ تمام صحابہ کرام سے راضی ہو اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

❁❁❁❁

تجزیہ

مسدس حالی: فکر وفن کے آئینے میں

مولانا محمد ذاکر بارہ بنکوی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

خواجہ الطاف حسین حالی کی ولادت پانی پت ضلع کرنال میں ۱۸۳۷ء میں ہوئی، ان کے مورث اعلیٰ خواجہ عبداللہ انصاری سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ہندوستان تشریف لائے، انہوں نے عام رواج اور دستور کے مطابق پہلے حفظ قرآن مکمل کیا، اس کے بعد انہوں نے سید جعفر علی سے (جو امیر مامون دہلوی کے بھتیجے تھے) فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اور مولوی ابراہیم حسین انصاری سے عربی صرف پڑھی، سترہ سال کی عمر میں ان کی شادی ہوگئی جس کے بعد انہیں تلاش معاش کی فکر دامنگیر ہوئی، اور جستجو وتلاش کے بعد جب کوئی سلسلہ نہ لگا تو آپ بغیر کسی کو اطلاع دئے ہوئے پانی پت سے دہلی چلے گئے، اور وہاں مسلسل ڈیڑھ سال تک مشہور واعظ ومدرس نوازش علی سے صرف ونحو اور منطق کی بلند پایہ کتابیں پڑھتے رہے، چونکہ آپ کو ابتدا ہی سے تحصیل علم کا بڑا شوق تھا، اس لئے آپ نے مخالف اور ناگفتہ بہ حالات کے باوجود اپنا علمی وتعلیمی سفر جاری رکھا، اور مقامی علماء سے درس لیتے رہے، اور ان کے خزانۂ علم و دانش سے بہرہ ور ہوتے رہے، جس کی بدولت آپ کو فلسفہ ومنطق، تفسیر وحدیث اور فقہ میں کافی عبور حاصل ہوگیا، اور ساتھ ہی ساتھ آپ لغت کی مدد سے اردو ادب کی معیاری اور ادق کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھا، شروع ہی سے آپ کو مضمون نگاری اور شعر گوئی سے بڑی دلچسپی اور وابستگی تھی، چنانچہ آپ گاہے بگاہے اردو مضامین لکھا کرتے تھے، اور شعر بھی موزوں کہا کرتے تھے۔

قیام دہلی کے درمیان حالی وہاں منعقد ہونے والے مشاعروں اور شعری محفلوں اور نشستوں میں شرکت فرمایا کرتے تھے، اس لئے ان کو ذوق، غالب اور مومن جیسے سخنوران کامل کا کلام سننے کا موقع ملا، رفتہ رفتہ انہیں بھی شعر گوئی سے دلچسپی ہوگئی، اس وقت کے باکمال شاعر مرزا اسداللہ خاں غالب سے اصلاح لینے لگے۔

حالی کو سب سے زیادہ نواب مصطفیٰ خاں کی صحبت سے فائدہ ہوا، نواب صاحب کے کلام کی جو خصوصیات وامتیازات تھیں، یعنی صداقت، واقعیت، حق گوئی، واضح بیانی اور اثر آفرینی، ان سے وہ فطری طور پر متأثر ہوئے، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام اور شاعری کے اندر یہ تمام عناصر نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

حسن اتفاق یہ کہ جب غدر کے فتنہ کے فرو ہونے کے بعد تلاش معاش کے لئے نکلے تو ان کی ملاقات نواب مصطفیٰ خاں رئیس جہاں گیرآباد ضلع بلند شہر سے ہوئی، اور ان کو ان کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، نواب صاحب موصوف اپنے وقت کے مشہور اردو اور فارسی کے شاعر تھے، اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے، آپ مولانا حالی کے بڑے قدرداں تھے، چنانچہ آپ سات آٹھ سال تک نواب صاحب کی مصاحبت میں رہے، نواب صاحب کے یہاں ہر وقت شعر وسخن کا چرچا رہتا تھا، اور مولانا حالی بھی باقاعدہ طور پر شعر کہنے لگے تھے، آپ خود لکھتے ہیں:

''مرزا غالب کے مشورہ اور اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا، بلکہ جو کچھ بھی فائدہ ہوا وہ نواب صاحب کی صحبت سے ہوا، وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے، حقائق وواقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا

اورسیدھی سادی سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا، اسی کو منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے، چھچھورے اور بازاری الفاظ ومحاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونوں تنفر تھے، آپ کا شعر بھی ہے:

حالی! سخن میں شیفتہ سے مستفید

مولانا حالی کا شمار درحقیقت اُن چند مسیحا نفس بزرگوں میں ہے جنہوں نے اردو زبان کے قالب بیجان میں ایک نئی روح پھونک دی، ان بزرگوں میں سب سے زیادہ قابل ذکر شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد، سرسید احمد خاں، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد، شمس العلماء منشی ذکاء اللہ اور شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی ہیں، مختصراً یہ کہ آپ ایک عظیم اسلامی شاعر ہیں، اور آپ کی شاعری ماضی وحال کی آئینہ دار ہے، اور مستقبل کے لئے واضح اور نمایاں خطوط متعین کرتی ہے۔

مسدس حالی:

حالی نے اپنی اس شاہکار تصنیف مدوجزر اسلام میں مسلمانوں کے روشن وتابناک ماضی اور ان کے عروج وارتقاء کا تذکرہ بڑے ہی دلفریب انداز میں کیا ہے، اوراس کے بعد ان کے انحطاط وزوال اور پستی پر اشک بھی بہائے ہیں، وہ کہتے ہیں:

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جاکے دیکھے

مسدس کی روانی حیرت انگیز ہے، اس کے مطالعہ سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ دریا اُمڈا چلا آرہا ہے، اور شروع سے آخر تک ایک عجیب وغریب تسلسل ہے، جس کا تار کہیں نہیں ٹوٹتا، اور پڑھنے والے کو ایک لمحہ کے لئے بھی رکنے کی نوبت نہیں آتی، جوش وجذبہ اور حماس وعاطفہ کی ایسی فراوانی ہے گویا ایک چشمہ ابل رہا ہے، باوجود ادبی خوبیوں کے سادگی کا یہ عالم ہے کہ اس پر ہزار صنائع وبدائع قربان ہوں، اور ہزاروں خوبیوں کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد صداقت پر ہے، ادب میں حسن وخوبی کا معیار صداقت، حقیقت بیانی اور واقعیت ہی ہوتی ہے، وہ زوال وپستی اور انحطاط کی آخری منزل جس پر انسانیت پہونچ چکی تھی، اس کے تذکرے کے بعد اسلام کے عروج وارتقاء کا ذکر کرتے ہوئے گویا ہوتے ہیں:

پستی کا کوئی حد سے گذرنا

مانے نہ کوئی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد

اسی طرح وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شخصیت سازی اور تعمیر سازی کے میدان میں جو اعلیٰ کردار ہے، اس کا تذکرہ بڑے ہی اچھے اسلوب میں کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

مس خام کو اس نے کندن

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا

ایک دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں:

سبق پھر شریعت کا ان کو

زمانے کے بگڑے ہوؤں کو

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق

وہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی اور پریشاں خیالی کو کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

یہی حال دنیا میں اُس قوم کا ہے

کنارا ہے دور اور طوفاں بپا

نہیں لیتے کروٹ مگر اہل دل

حاصل گفتگو یہ کہ یوں تو حالی کی پوری شاعری اصلاح وتعمیر کے جذبے سے لبریز ہے، لیکن مدوجزر اسلام جسے ''مسدس حالی'' کے نام سے شہرت حاصل ہے، ان کی وہ شاہکار تصنیف ہے جو اپنے فن، روانی، سلاست اور شعریت وگہرائی کی وجہ سے اردو شاعری کی تاریخ میں نظر انداز نہ کی جاسکے گی۔

ہوشیار!

مہذب ہندوستانیوں کے خلاف مغرب کی ناپاک سازش

سور کی چربی سے تیار تیل میں بنے آلو چپس کی کھلے عام فروخت

ادارہ

اگر آپ کا بچہ لیز Lays آلو کے چپس کھانے کی ضد کرتا ہے تو برائے مہربانی آپ اسے منع کردیں، کیونکہ یہ چپس نہیں بلکہ آپ کے ایمان کو تباہ کردینے کی سازش ہے، کیونکہ لیز چپس میں ذائقہ بڑھانے کے لیے جو تیل استعمال کیا جارہا ہے، وہ سور کی چربی سے حاصل کیا جارہا ہے، کیمسٹری کی زبان میں اس کو سوڈیم انوسنیٹ کہا جاتا ہے، جس کا فارمولہ C10HI IN4NA208PI ہوتا ہے، اس کے لیے لیز جیسی کمپنیاں E631 کوڈ لکھ کر کام چلاتی ہیں، جو عام طور پر چپس کے لفافے پر کہیں کونے میں لکھا ہوتا ہے، اس بات کی تصدیق گوگل پر سرچ کرنے سے بھی ہوجاتی ہے، کہ یہ E631 واقعی سور کی چربی کا کوڈ ورڈ ہے، اور اس کے خلاف بہت سے ممالک میں ہنگامہ بھی ہوچکا ہے، جس پر کارروائی کرتے ہوئے وہاں کی سرکاروں نے لیز چپس پر پابندی بھی لگادی ہے، وہیں سور کی چربی کارتوس میں استعمال کرنے کی خبر پر 1857 جیسی بغاوت کردینے والی قوم کس طرح انجانے میں سور کی چربی کے بنے لیز چپس کھارہی ہے، اس پر علاوہ تعجب کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا، اس کے علاوہ صرف آلو کے چپس ہی نہیں بلکہ نوڈلس میں بھی اس کا استعمال ذائقہ بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے، سوڈیم انوسنیٹ ویسے تو مچھلی کی چربی سے بھی تیار کیا جاتا ہے مگر سور کی چربی چونکہ بہ آسانی دستیاب ہو جاتی ہے اور مغربی ممالک میں اس کے گوشت کا زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے اس کی چربی ٹھکانے لگانے کی دشواری سامنے آتی تھی، جس کو دور کرنے کے لیے کمپنیوں نے ایک نایاب طریقہ کار ایجاد کیا، جس سے داڑھی بنانے والی کریم، ٹوتھ پیسٹ اور خاص طور پر چیونگم جو کہ بنا سور کی چربی کے تیار ہی نہیں ہوسکتی، بتایا جاتا ہے کہ E631 کا جو فارمولہ ہے وہ بیشتر جانوروں کی چربی سے ہی حاصل ہوتا ہے، اور جس کو بنانے میں لاگت بھی کم آتی ہے، دراصل معاملہ اس E631 کا ہی ہے، جس کے پس پردہ یہ ساری کہانی وجود میں آئی، مغربی ممالک میں سور کا گوشت بہت ہی لذیذ مانا جاتا ہے اور اس کے کھانے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، اس لئے وہاں سور کو عام جانور کی طرح پالا جاتا ہے، جب اس کا گوشت استعمال میں آجاتا ہے تو اس کی چربی کا مسئلہ سامنے آتا ہے کہ کہاں ٹھکانے لگائی جائے کیونکہ یہی ایک واحد جانور ہے جس میں سب سے زیادہ چربی ہوتی ہے اور لوگ چربی کھانے سے بچتے ہیں، تو پھر سوال پیدا ہوا کہ اس چربی کا کیا کیا جائے، تو مغربی کمپنیوں کے کرتا دھرتاؤں نے دماغ کے گھوڑے دوڑانے شروع کردیئے، جس میں انہوں نے اس کا استعمال صابن وغیرہ میں کیا جو کہ کامیاب تجربہ رہا۔

اس کے بعد تو ایک کاروباری دوڑ شروع ہوگئی، جس میں اس چربی کا استعمال مختلف اشیاء میں کیا جانے لگا اور نام دیا گیا ''پگ فیٹ'' اس نام سے ہمارے قارئین کو اٹھارہ سو ستاون کے غدر کی یاد تازہ ہوگئی ہوگی، اس دور میں برطانیہ سے لائی جانے والی گولیاں سمندری آب وہوا سے خراب ہوجایا کرتی تھیں، تب ان پر سور کی چربی کی پرت چڑھا کر بھیجا جانے لگا تھا، لیکن گولیاں بھرنے سے قبل انہیں دانت سے کاٹا جاتا تھا، اور اس کی حقیقت سامنے آجانے کے بعد جو بغاوت ہوئی، اس نے اس

دور کی مغربی کمپنیوں کی نیندیں اڑادیں اوراس کو’’انیمل فیٹ‘‘ کہہ کر مخاطب کیا گیا، مسلم ممالک میں گائے اور بھیڑ کی چربی کہا گیا، مگراس کے حلال نہ ہونے کی بات نے بے اطمینانی کے ماحول کو ہوادی۔

پریشان کمپنیوں کے سامنے ایک بڑا مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا، آخر ۷۵ر فیصد کمائی تو اسی سے تھی اور پھر ایک کوڈ ورڈ والی زبان تیار کی گئی، جس کو متعلقہ محکمہ ہی جان پائے کہ کس چیز سے تیار کیا گیا ہے، جب کہ بے چارے صارفین انجان بن کر سب کچھ ہضم کرتے چلے جارہے تھے، اوراسی وقت پیدائش ہوئی اس E631 کوڈ کی، جو مذکورہ اشیاء کے علاوہ چاکلیٹ، مٹھائی بسکٹ، کورن فلیکس، ٹافی، وغیرہ میں استعمال کیا جانے لگا، مزید یہ کہ دمہ کے مریضوں کے لیے یہ بہت زیادہ نقصان دہ ہے، کافی پہلے ایک بات ماحول میں گردش کرتی رہی تھی کہ کرکرے میں پلاسٹک ہے، اور جب اسے جلایا جاتا تھا تو وہ ٹپک کر پگھل جاتا تھا، اب ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کہیں یہ اسی چربی کا اثر تو نہیں تھا، بتایا جاتا ہے کہ پاکستان میں تو اس پر بڑا ہنگامہ ہوا تھا جس میں کافی مقدمہ بازی اور صاف صفائی کا دور چلا تھا، اور یہ سب باتیں گوگل پر E631 لکھ کر سرچ کرنے سے معلوم ہو جائیں گی۔ (بشکریہ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ شمارہ ۲۵ر دسمبر ۲۰۱۱ء)

بھٹکل اسلامیات کے امتحانات میں
۶۴ر ہزار سے زائد مسلم وغیر مسلم طلباء کی شرکت

رپورٹ: محمد افضل ندوی (بھٹکل)

مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل (کرناٹک) کے زیر اہتمام بشمول انڈومان ونکوبار وشمال مشرقی ریاستیں پورے ملک کے مختلف صوبوں کے ۳۳۵ر سینٹروں اوراسکولوں وکالجس میں اسلامیات کے امتحانات برائے سال ۱۲/۲۰۱۱ء یکم فروری بروز بدھ منعقد ہوئے، امسال الحمدللہ ان امتحانات میں جملہ سینٹروں میں ۶۴۷۱۴ر طلباء شریک ہوئے جن میں سے ۳۵ر سینٹروں میں جملہ ڈیڑھ ہزار سے زائد غیر مسلم طلباء بھی تھے۔

واضح رہے کہ اکیڈمی کے زیر اہتمام اسکول وکالجس کے طلباء کے لیے گذشتہ گیارہ سال سے جاری یہ سلسلہ الحمدللہ اب پورے ملک میں پھیل چکا ہے اور بیرون ملک سنگاپور، ملیشیا، نیپال اور سری لنکا میں بھی اس کے سینٹر قائم ہو چکے ہیں، جب کہ اس کی ابتداء ۲۰۰۱ء میں مقامی طور پر ۳۵۰ر کی تعداد سے شروع ہوئی تھی اور گذشتہ سال اس میں شریک طلباء کی تعداد ۵۷ر ہزار سے زائد تھی، اکیڈمی کے بانی وجنرل سکریٹری مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی کے مطابق سال بہ سال طلباء کی تعداد میں بے پناہ اضافہ محض اللہ کے فضل وکرم اوراسلامی تعلیمات کی طرف طلباء وسرپرستوں کی رغبت ودلچسپی کا نتیجہ ہے۔

ان امتحانات میں شریک ہر چالیس طلباء کے گروپ میں اول، دوم، سوم آنے والوں کو گولڈ گنی، گولڈ میڈل وسلور میڈل اور سرٹیفکیٹ سے نوازا جاتا ہے، جس سے ترغیب پاکر ہر سال اس میں شریک ہونے والے غیر مسلم طلباء کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور حیرت کی بات ہے کہ ملک کے بعض اسکولوں میں گولڈ میڈل غیر مسلم طلباء وطالبات حاصل کررہے ہیں، اسلامیات کی کتابوں میں بیک وقت دس مضامین قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، عقائد، اسلامی تاریخ واخلاقیات وغیرہ کا احاطہ کیا گیا ہے، اس میں ہر مضمون کا تحریری امتحان لیا جاتا ہے، امسال ملک کے ان ۶۵ر ہزار طلباء میں امتیازی نمبرات سے کامیاب طلباء میں انشاءاللہ گولڈ وسلور میڈل تقسیم کئے جائیں گے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے ماتحت چلنے والے ہر اسکول وکالج میں یہ نصاب اورامتحانات کا یہ سلسلہ جاری ہو، تاکہ نئی نسل عصری علوم میں مہارت کے ساتھ اسلام وایمان کی مبادیات سے واقف ہو جائے اور اسلام پر ان کا اعتماد بحال رہے بلکہ مستحکم اور پختہ ہو جائے۔

اقوال زریں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ نصیحتیں

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

"عن عبداللہ بن عمرؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث مھلکات وثلاث منجیات وثلاث کفارات وثلاث درجات"۔(شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، اور تین چیزیں ہلاکت سے نجات دینے والی ہیں، اور تین چیزیں گناہوں کے لیے کفارہ ہیں اور تین چیزوں سے درجات بلند ہوتے ہیں، اس حدیث کے اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ نصیحتوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

ہلاکت کی تین چیزیں:

(۱)خودغرضی۔ (۲)خواہش پرستی۔ (۳)خود پسندی۔

(۱)خودغرضی:

سب سے پہلی چیز خودغرضی ہے، خودغرضی اتنی خطرناک بیماری ہے کہ اس کی وجہ سے انسان بہت سی برائیوں میں مبتلا ہوسکتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے آپ کو خودغرضی سے بچاؤ، اس لیے کہ تم سے پہلی امتوں کو خودغرضی نے ہلاک کردیا ہے، اگر خود غرضی ان کو ظلم پر آمادہ کرتی تو ظلم کر بیٹھتے، اگر ان کو رشتہ ناطہ توڑنے پر آمادہ کرتی تو رشتہ داری ختم کردیتے، اگر جھوٹ بولنے پر آمادہ کرتی ہے تو جھوٹ بول لیا کرتے تھے، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ظلم کرنے سے بچو، کیونکہ قیامت کے دن ایک ظلم کی وجہ سے بہت سی ظلمتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اور تم بدگوئی اور بے حیائی سے بچو، اس لیے کہ اللہ تعالی بدکلامی کرنے والوں اور بے حیا لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

خود غرضی سے تعلقات ختم:

خودغرضی ایسی بری عادت ہے کہ اس کی وجہ سے عزیز واقربا اور رشتہ داروں سے تعلقات ختم ہوجاتے ہیں، انسان اپنی غرض پوری کرنے کے لیے دوسروں کے جانی ومالی نقصان کی بالکل پرواہ نہیں کرتا۔

خودغرضی کا علاج:

عن خالد بن زید بن جاریہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم "قال ثلاث من کن فیہ وقی شح نفسہ من ادی الزکوۃ وقری الضیف واعطی فی النائبۃ"۔

حضرت خالد بن زید بن جاریہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں تین باتیں موجود ہوں اس کو خودغرضی سے بچالیا جاتا ہے، جو شخص زکوۃ ادا کرتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور مصیبت زدہ لوگوں پر خرچ کرتا ہے۔

(۲)خواهش پرستی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی دوسری چیز "ھویً متبع" ہے، یعنی ایسی خواہش نفس جس کا اتباع کیا جائے، نفس جو چاہے بلا روک ٹوک وہی کیا جائے، جو شخص خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے اسے کبھی اطاعت خداوندی کی توفیق نہیں ہوتی، خدا تعالی کی نافرمانیاں آسان ہوجاتی ہیں، سنیما، ٹیلی ویژن، فحش فلمیں دیکھنا، شراب پینا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، غیرمحرم

عورتوں کے ساتھ رہنا، اس کے لئے لطف کی چیز ہے، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، سچ بولنا، ذکر خداوندی اور تلاوت کلام اللہ کرنا اس کے لیے دشوار اور مشکل کام ہے۔

حضرت ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک فتنہ اس حالت میں بھیجا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ خواہش نفس اور صبر بھی بھیجے جاتے ہیں، لہٰذا جو شخص خواہش نفس کا اتباع کرے گا، تو اس کی مقتول لاش سیاہ ہوگی اور جو شخص صبر کرے گا تو اس کی مقتول لاش سفید ہوگی۔ (المعجم الکبیر)

(۳) خودپسندی:

ہلاکت میں ڈالنے والی تیسری چیز خود پسندی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو آگاہ فرمایا کہ خود پسندی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے، اپنے آپ کو اس سے بچاؤ، یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو خود پسندی اور اتراہٹ سے دور رکھو، اس لیے کہ خود پسندی خود اس کے لیے باعث ہلاکت ہے، اور خود پسندی نیکیوں کو اس طرح جلا کر ختم کر دیتی ہے جیسا کہ آگ لکڑیوں کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔

خود پسندی غضب الٰهی کا منتظر:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے وہ اللہ تعالی کی رحمت کا امیدوار ہے، اور جو شخص خود پسندی اور خودستائی اور اتراہٹ میں مبتلا ہوتا ہے وہ اللہ کے غیظ وغضب کا انتظار کرتا ہے: عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم "النادم ینتظر الرحمۃ والعجب ینتظر المقت"۔ (شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے وہ اللہ تعالی کی رحمت کی امید رکھتا ہے اور جو شخص گھمنڈ اور خود پسندی میں مبتلا ہوتا ہے وہ اللہ تعالی کے غضب کا انتظار کرتا ہے۔

جب خودپسندی عام هوجائے تو تم لوگوں سے الگ هوجاؤ:

حضرت ابوامیہ شعبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوثعلبہ خشنی سے پوچھا کہ آپ حضرات اس آیت "یایها الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم"۔

اے ایمان والو! تم اپنے نفس کی حفاظت کرو، ان لوگوں سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جو گمراہی میں مبتلا ہیں، جب تم ہدایت پر ہو، حضرت ابوثعلبہ نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے متعلق بہت خبر رکھنے والی ذات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ تم بھلائی کا حکم کرتے رہو، اور برائی پر نکیر کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ زمانہ آجائے جس میں تم خودغرضی اور خواہش نفس کی پیروی دیکھ لو، اور دین پر دنیا کو ترجیح دینے کو دیکھ لو، اور ہر صاحب رائے کو اپنی رائے پر اتراتے ہوئے دیکھ لو، تو تم اپنے آپ کو تنہائی کے لئے خاص کر لو، اور عام لوگوں کے ماحول کو چھوڑ دو، اس لیے کہ تمہارے بعد ایسا زمانہ آنیوالا ہے جس میں مصائب کو جھیل کر صبر کرنا ایسا مشکل کام ہوگا جیسا کہ مٹھی میں چنگاری رکھی گئی ہو، اس زمانہ میں نیک عمل کرنے والے کو پچاس عمل کے برابر ثواب دیا جائے گا۔

نجات کی تین چیزیں:

(۱) "العدل فی الغضب والرضاء" غصہ اور خوشی میں انصاف اور حق کی بات کرنا۔

(۲) "القصد فی الفقر والغنی" خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں انصاف کے راستہ میں خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا یعنی نہ خوشحالی کے زمانہ میں خدا کو بھولے اور نہ ہی تنگی کے وقت اللہ تعالی کو فراموش کرے۔

(۳) "خشیۃ اللّٰہ فی السر والعلانیۃ" خلوت اور جلوت، تنہائی اور مجمع میں اللہ تعالی سے ڈرنا۔

تین چیزیں گناهوں کے لیے کفاره هیں:

(۱) "انتظار الصلوۃ بعد الصلوۃ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ مومن کو اس وقت تک نماز میں شمار کیا جائے گا، جب تک مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا رہے، بشرطیکہ اس کا وضو باقی رہے۔ (بخاری شریف)

ملائکہ کی مغفرت ورحمت کی دعا :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک ملائکہ تم میں سے کسی کے لیے اس وقت تک رحمت کی دعائیں کرتے ہیں، جب تک وہ اس مصلّے پر موجود ہے، جس میں اس نے نماز ادا کی ہے اور جب تک حدث لاحق نہ ہو ملائکہ دعا کرتے ہیں، اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ اس پر رحمت نازل فرما۔ (بخاری شریف)

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت میں ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے والے کو قیامت کے دن عرش کے سایہ کی بشارت دی گئی ہے۔

(۲) "اسباغ الوضوع علی المکارہ" سخت ناگواری اور مشقت کی حالت میں کامل وضو کرنا، جیسے سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو مٹا دے گا اور درجات کو بلند کر دے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخت سردی کی ناگواری میں کامل وضو کرنا اور مسجد میں دور سے چل کر آنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اس کی فضیلت کا وہ مقام ہے جو سرحد اسلام کی حفاظت کا ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

(۳) "وتقدم الاقدام الی الجماعة" گناہوں سے کفارہ کی تیسری چیز پیدل چل کر جماعت میں شرکت کرنا ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آ کر نماز کے انتظار میں رہتا ہے تو اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے ہر اس قدم کے بدلہ جو اس نے مسجد کی طرف اٹھایا دس نیکیاں لکھتے ہیں، اور نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے عبادت کرنے والے کی طرح ہے اور گھر سے نکلنے کے وقت سے لے کر گھر واپس لوٹنے تک نماز پڑھنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں بیان ہے کہ ہر قدم پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، پس جو نمازی دور سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے گا اسے کس قدر نیکیاں ملیں گی، مدینہ منورہ میں ایک قبیلہ بنوسلمہ مسجد نبوی سے دور رہتا تھا، مسلم شریف میں اس کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے اردگرد کچھ زمین خالی پڑی تھی، بنوسلمہ نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب ہی کہیں منتقل ہو جائیں، یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بیشک ہم یہی چاہ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنوسلمہ وہیں رہو، تمہارے (مسجد تک آنے کیلئے) سب قدم لکھے جاتے ہیں، وہیں رہو تمہارے (مسجد تک آنے کے) سب قدم لکھے جاتے ہیں (دو مرتبہ یہی ارشاد فرمایا)۔

تین قسم کے اعمال سے درجات بلند ہوتے ہیں :

"اطعام الطعام" غریبوں، مسکینوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانے سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں، حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مؤمن کسی مؤمن کو پیاس کی حالت میں پینے کی چیز پلا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ایسے خالص اور عمدہ ترین مشروب پلائے گا جس کے ہر گلاس سر بمہر ہوں گے، اور جو بھی مومن کسی مومن کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے بے مثال پھل کھلائے گا اور جو بھی مؤمن کسی ننگے اور ضرورتمند مؤمن کو کپڑا پہناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا جنت کے سبز لباس سے اعزاز کرے گا۔ (مسند احمد)

جنت کے اعلی ترین بالاخانہ کی بشارت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیشک جنت میں ایک ایسا دلفریب بالا خانہ ہے کہ اس کے اندر سے باہر کی چیزیں دکھائی دیں گی اور باہر سے اندر کی چیزیں دکھائی دیں گی، ایک دیہاتی نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ کن لوگوں کے لیے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان لوگوں کے لیے ہے جو اچھی باتیں کرتے ہیں اور لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں، اور اکثر روزے رکھتے ہیں اور رات کو نماز پڑھتے ہیں جب لوگ سوتے رہتے ہیں۔

''افشاء السلام'' سلام کو عام کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو نگے جب تک مومن نہ بن جاؤ اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت کا ماحول نہ پیدا کرو، میں تمہیں ایک ایسا عمل ضرور بتلاؤں گا کہ جب تم اس عمل کو کر گزرو گے تو تمہارے درمیان محبت پیدا ہوگی، وہ عمل یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کی خوب اشاعت کرتے رہو۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو لوگ سیلاب کی طرح تیزی سے آپ کے پاس جمع ہونے لگے، اور ہر طرف سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں، تو میں بھی لوگوں کی بھیڑ میں وہاں پہنچ گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لوں، جب آپ کا چہرہ میرے سامنے ظاہر ہوا تو میں نے پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے اور کذاب کا چہرہ نہیں ہے اور سب سے پہلے جو بات آپ نے ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور عام وخاص ہر طرح کے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو، اور اس حالت میں نماز پڑھا کرو جب لوگ خواب غفلت میں سو رہے ہوں تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

رفع درجات کی تیسری چیز:

تیسری چیز رات میں ایسے وقت تہجد اور نوافل میں مشغول ہو جانا جب سب لوگ سو رہے ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تین آدمی ایسے ہیں، جن سے اللہ تعالی بہت محبت کرتا ہے:

۱- وہ آدمی جو راتوں کو اٹھ کر نوافل میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے۔

۲- وہ شخص جو اس طرح خفیہ صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلتا۔

۳- وہ شخص جو کسی غزوہ میں دشمن کے مقابلہ پر ہو پھر اس کے سارے ساتھی شکست خوردہ ہوکر بھاگ جائیں لیکن وہ سینہ سپر ہوکر دشمن کے مقابلہ پر ڈٹ جائے۔

جنت میں شب بیداری کرنیوالوں کا بے حساب داخلہ:

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگ (زندہ کئے جانے کے بعد) ایک وسیع اور ہموار میدان میں جمع کئے جائیں گے (یعنی سب میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے) پھر اللہ کا منادی پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ بندے جن کے پہلو راتوں کو بستروں سے الگ رہتے تھے (یعنی بستر چھوڑ کر جو راتوں کو تہجد پڑھتے تھے) وہ اس پکار پر کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کی تعداد زیادہ نہ ہوگی، پھر وہ اللہ کے حکم سے بغیر حساب وکتاب کے جنت میں چلے جائیں گے، اس کے بعد تمام لوگوں کے لیے حکم ہوگا کہ وہ حساب کے لیے حاضر ہوں۔

Files\A004.TIF not found.

حافظ عبدالستار عزیزی

حالات حاضرہ

عالمی خبریں World News

قرآن کریم جلانے والوں کو سرعام سزادی جائے

کابل-افغانستان کے سرکردہ علماء پر مشتمل کونسل نے امریکی فوج کے زیرانتظام بگرام کے اڈے پر قرآن مجید کی توہین اور اس کو جلانے کے واقعہ کی شدید مذمت کی ہے اور اس کے ذمہ داروں کو سرعام سزا دینے کا مطالبہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس سنگین جرم کی معافی ہرگز ہرگز قبول نہیں کی جاسکتی، جن امریکیوں نے اس سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے، ان کے خلاف کھلے عام مقدمہ چلایا جائے گا اور انہیں سرعام سزادی جائے گی۔

وفیات

۷رفروری ۲۰۱۲ء منگل کے روز دارالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا خورشید احمد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ایک زبردست عالم دین ہونے کے ساتھ وقف دارالعلوم کے ممتاز استاد تھے، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

۱۰رفروری ۲۰۱۲ء جمعہ کے روز جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت مولانا ابوبکر غازی کا دہلی میں انتقال ہوگیا ہے۔اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم بہت سی صلاحیتوں کے مالک تھے، عقائد کے تحفظ کے سلسلہ میں بڑے حساس تھے، ان کی زبان اور قلم بہت پراثر تھا، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔

۱۱رفروری ۲۰۱۲ء سنیچر کے روز مولانا سید وقار علی صاحب استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف گذشتہ ۵۰رسالوں سے بے لوث خدمت انجام دے رہے تھے، مولانا مرحوم کو میراث کے مسائل میں بہت مہارت تھی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

۱۶رفروری ۲۰۱۲ء جمعرات کے روز مولانا صغیر احمد قاسمی استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ کے بہنوئی کے والد جناب حاجی منفعت علی صاحب کا ۸۳رسال کی عمر میں انتقال ہوگیا ہے۔اناللہ وانا الیہ راجعون

حاجی صاحب ایک متواضع اور منکسرالمزاج آدمی تھے، تاجپورہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

۱۸رفروری ۲۰۱۲ء سنیچر کے روز اشرف المدارس ہردوئی کے بزرگ اور عالم دین حضرت مولانا قاری امیرحسن صاحب (خلیفہ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مکیؒ) کا ممبئی میں انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قاری صاحب مرحوم حضرت کے شیخ کے خلیفہ ہونے کے باوجود بھی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی ماتحتی اور ایماء پر اصلاح قوم ودین کا کام کرتے تھے، یہ ان کے خلوص اور فنائیت کی واضح دلیل تھی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

۲۰رفروری ۲۰۱۲ء پیر کی صبح کو جناب مولانا طارق جمیل صاحب ندوی کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون، واضح رہے کہ مولانا مرحوم ندوہ کے قدیم فضلاء میں سے تھے اور مولانا سید سلمان نقوی صاحب شعبہ ملحقہ مدارس دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ماموں تھے، اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔

۲۰رفروری ۲۰۱۲ء پیر کی شام کو ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے چیف ایڈیٹر مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی والدہ محترمہ کا تقریباً ۷۴رسال کی عمر میں انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون، مرحومہ صوم وصلاۃ کی پابند ہونے کے ساتھ ساتھ مہمان نوازی جیسی اعلیٰ صفات سے متصف تھیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔

۲رمارچ ۲۰۱۲ء جمعہ کے روز مشہور عالم دین اور مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے روح رواں حضرت مولانا صفی اللہ خان صاحب کی وفات ہوگئی ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون، مولانا مرحوم بہت سی صفات حمیدہ سے متصف تھے، مولانا صفی اللہ خان صاحب حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب کے بیٹے اور جانشین تھے، جن کے روحانی فیض کا سلسلہ ملک وبیرون ملک میں پھیلا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔

ادارہ ''نقوش اسلام'' مرحومین کے وارثین کے غم میں برابر کا شریک ہے، تمام قارئین سے مغفرت اور بلندی درجات کی دعاء کی درخواست ہے۔